محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد اوّل

خواجہ شمس الدین عظیمی

محمد رسول اللہ ﷺ

جلد اول

خواجہ شمس الدین عظیمی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قسم ہے زمانہ کی، انسان خسارہ اور نقصان میں ہے مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو رسالت اور قرآن کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر عمل پیرا ہو گئے۔

۔۔۔۔۔۔(القرآن)۔۔۔۔۔۔

پیدائش کے بعد انسان کا تعلق تین نظاموں سے ہے۔ پہلا نظام وہ ہے جہاں اس نے خالقِ حقیقی کو دیکھ کر اس کے منشاء کو پورا کرنے کا عہد کیا۔ دوسرا نظام وہ ہے جس کو ہم عالمِ ناسوت، دارالعمل یا امتحان گاہ کہتے ہیں۔ اور تیسرا نظام وہ ہے جہاں انسان کو امتحان کی کامیابی یا ناکامی سے باخبر کیا جاتا ہے۔

انسان کی کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ یہ جان لے کہ اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا ہے کہ اللہ اس کا خالق اور رب ہے۔

علمائے باطن کہتے ہیں کہ انسان ستر ہزار پرت کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق انسان جب عالمِ ناسوت میں آتا ہے تو اس کے اوپر ایک پرت ایسا غالب آ جاتا ہے جس میں سرکشی، بغاوت، عدم تحفظ، عدم تعمیل، کفرانِ نعمت، ناشکری، جلد بازی، شک، بے یقینی اور وسوسوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہی وہ ارضی زندگی ہے جس کو قرآن پاک نے اسفل السافلین کہا ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات یہ ہیں کہ پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں۔ ایک طرز اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری طرز اللہ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ وہ ناپسندیدہ طرز جو بندے کو اللہ سے دور کرتی ہے اس کا نام شیطنت ہے اور وہ پسندیدہ طرزِ فکر جو اللہ سے بندے کو قریب کرتی ہے اس کا نام رحمت ہے۔

روحانیت کے راستے پر چلنے والے مبتدی کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوتی ہے کہ انسان کا کردار اس کی طرزِ فکر سے تعمیر ہوتا ہے۔

طرزِ فکر میں اگر پیچ ہے تو آدمی کا کردار بھی پُر پیچ بن جاتا ہے۔ طرزِ فکر الٰہی قانون کے مطابق راست ہے تو بندے کی زندگی میں سادگی اور راست بازی کارفرما ہوتی ہے۔ طرزِ فکر اگر سطحی ہے تو بندہ سطحی طریقہ پر سوچتا ہے۔ طرزِ فکر میں گہرائی ہے تو بندہ شئے کی حقیقت جاننے کے لئے تفکر کرتا ہے۔

حقیقت پسندانہ طرزِ فکر ہر آدمی کے اندر موجود ہے لیکن ہر آدمی اسے استعمال نہیں کرتا۔ آدمی دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی غیر حقیقی باتوں کو اصل اور حقیقی سمجھتا ہے۔ سالک جب راہ سلوک میں قدم بڑھاتا ہے تو والدین اور معاشرہ سے ملی ہوئی غیر حقیقی طرزِ فکر تبدیل ہو جاتی ہے۔

جس قسم کا ماحول ہوتا ہے اسی طرز کے نقوش کم و بیش ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔ جس حد تک یہ نقوش گہرے ہوتے ہیں اسی مناسبت سے انسانی زندگی میں طرزِ فکر تشکیل ہوتی ہے۔ ماحول اگر ایسے کرداروں سے بنا ہے جو ذہنی پیچیدگی، بے یقینی، بد دیانتی، تخریب اور ناپسندیدہ اعمال کا مظاہرہ کرتے ہیں تو فرد کی زندگی امتلا میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ماحول میں اگر راست بازی اور اعلیٰ اخلاقی قدریں موجود ہیں تو ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والا فرد پاکیزہ نفس اور حقیقت آشنا ہوتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ مادری زبان سیکھنے کے لئے بچے کو قاعدہ پڑھنا نہیں پڑتا۔۔۔۔۔ شک اور بے یقینی کا پیٹرن جس طرح بچے کے اندر ماحول سے خود بخود منتقل ہو جاتا ہے اسی طرح پاکیزہ ماحول اور روحانی استاد کی قربت سے سالک کے اندر یقین کا پیٹرن بن جاتا ہے۔

جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے سب کی طرز فکر یہ تھی کہ ماورائی ہستی کے ساتھ ہمارا رشتہ قائم ہے۔ یہی روحانی طرز فکر ہے اور یہی رشتہ کائنات کی رگِ جان ہے۔

روحانی طرز فکر مسلسل ایک عمل ہے جو سالک کے اندر خون کی طرح دور کرتا رہتا ہے۔ اس عمل میں بڑی رکاوٹ صدیوں پرانی وہ روایات ہیں جن کا مطمع نظر مادیت ہے۔ آدمی جس ماحول میں جوان ہوتا ہے وہ ماحول خاندان اور قبیلوں کی روایات بن جاتی ہیں۔ روایات کے امین والدین ہوتے ہیں، بھائی بہن ہوتے ہیں، کنبہ برادری کے لوگ اور تمام قرابت دار ہوتے ہیں۔ انسانی برادری میں دو طرح کے لوگ ہیں۔

۱۔ جو خاندانی روایات میں زندہ رہتے ہیں۔ انہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور اگر ہو رہا ہے تو کیوں ہو رہا ہے۔ ان کے لئے اتنا کافی ہے کہ ہمارے باپ دادا اس طرح کرتے تھے۔

۲۔ دوسرا گروہ سوچتا ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔

مشرکین مکہ باوجود یہ کہ جانتے تھے کہ تین سو ساٹھ (۳۶۰) بت ہمارے جیسے آدمیوں نے پتھروں سے تراشے ہیں۔ یہ آدمیوں کی طرح بول نہیں سکتے، سن نہیں سکتے۔۔۔۔۔ لیکن خاندانی روایات کا اتنا زیادہ غلبہ تھا کہ وہ ان بے جان پتھروں کے مجسم ٹکڑوں کو خدا کا درجہ دیتے تھے نہ صرف خود خدا مانتے تھے بلکہ کوئی اس حقیقت کو بیان کرتا تھا کہ ہمارے خدا پتھروں کے بے جان

مجسمے ہیں تو اس کے درپے آزار ہو جاتے تھے۔ شرمناک حد تک سزائیں دینا ان کے نزدیک بہترین عمل تھا۔ صدیوں پرانی روایات اور جہالت کی گرد سے اٹا ہوا ماحول ان کے اندر سے فہم کا چشمہ خشک کر دیتا ہے۔

ہمارے سامنے ہمارے بچوں کی مثال ہے۔ ہم جب بچوں کو جہالت سے معمور ماحول سے الگ کر کے علمی ماحول میں داخل کرتے ہیں تو۔۔۔۔۔ دراصل جہالت کے خلاف اعلان بغاوت کرتے ہیں۔ بچے کو اسکول (یعنی جاہلانہ ماحول سے آزاد ماحول) میں داخل کرتے ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں دس سال لگ جاتے ہیں۔ ایک سال کا وقفہ شمار کیا جائے تو ساڑھے تین ہزار گھنٹے صرف کر کے ہمارا بچہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ سو (۱۰۰) تک گنتی یاد کر لیتا ہے۔

میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے میں پینتیس ہزار (۳۵۰۰۰) گھنٹوں کا وقت اور ہزاروں روپے صرف ہوتے ہیں۔ ان پینتیس ہزار گھنٹوں میں ماں کی کوشش ہوتی ہے کہ بچہ پڑھائی میں لگا رہے۔ باپ بھی اس طرف توجہ دیتا ہے کہ بچے کی تعلیم میں کوتاہی نہ ہو۔ بھائی بھی کتابیں کاپیاں لے کر ساتھ بیٹھ جاتا ہے۔ بہن بھی پڑھنے کی تلقین کرتی ہے۔ گھر کے سبھی افراد توجہ دیتے ہیں تب سیکنڈری سطح کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم ابھی شروع نہیں ہوئی۔ میٹرک کے بعد راستہ کھلتا ہے کہ کس فیلڈ میں آگے بڑھنا ہے۔

ڈاکٹر بننا ہے، انجینئر بننا ہے، اکاؤنٹنٹ بننا ہے، جہاز اڑانا ہے، مشین بنانی ہے وغیرہ وغیرہ۔ دس سال میں آدمی عالم نہیں بن جاتا۔ قابل ذکر علوم کے حصول کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوتا ہے۔۔۔۔۔ یہ تذکرہ دنیاوی تعلیم کا ہے۔

دوسری طرف روحانی علوم ہیں۔ ایک ہفتہ میں ایک گھنٹہ کا وقت آدمی بمشکل نکالتا ہے۔ اس تناسب سے ایک ماہ میں چار گھنٹے اور ایک سال میں اڑتالیس (۴۸) گھنٹے بنتے ہیں۔ آدمی کے دیگر معمولات بھی جاری رہتے ہیں۔ کاروبار بھی ہوتا رہتا ہے۔ ملازمت بھی جاری رہتی ہے۔ شادی بیاہ اور دیگر امور بھی انجام دیئے جاتے ہیں اور صدیوں پرانی روایات اور ماحول سے بھی آدمی ذہنی طور پر وابستہ رہتا ہے۔

ایک سال میں صرف (۴۸) گھنٹے صرف کر کے اگر یہ سوچا جائے کہ کچھ حاصل نہیں ہوا، میں کشف کی لذت سے آشنا نہیں ہوا، مافوق الفطرت باتیں سامنے نہیں آئیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روحانیت کی اہمیت دنیاوی علوم کی ابتدائی کلاسوں سے بھی کم کر دی گئی ہے۔۔۔۔۔ دس سال تک ہر سال ساڑھے تین ہزار گھنٹے صرف کرنے کے بعد طالب علم اس قابل ہوتا ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے کسی شعبہ کا انتخاب کرے تو ۴۸ گھنٹے کا وقت دے کر وہ کس طرح کہتا ہے کہ روحانی علوم حاصل نہیں ہوئے۔

خالص دنیاوی ماحول میں رائج طرزِ فکر سے روحانی استاد کی طرزِ فکر منفرد ہوتی ہے۔ روحانی استاد میں توکل اور استغناء ہوتا ہے، دنیا طلبی نہیں ہوتی۔ اس کی مرکزیت "توحید" ہے۔

روحانی علوم سیکھنے کے لئے طالبات اور طلباء کے لئے ضروری ہے کہ ان کے اندر منفی، شیطانی اور غیر اسلامی روایات سے بغاوت کرنے کا حوصلہ اور جذبہ ہو۔۔۔۔۔ صراط مستقیم پر چلنے اور مستقل مزاجی سے آگے بڑھنے کا عزم ہو۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقوشِ قدم پر قائم رہنے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کے لئے طاغوتی طاقتوں اور نفس کی ہر سرکشی سے ٹکرانے اور انہیں زیر کرنے کی ہمت ہو۔

پیشِ نظر صفحات میں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کے وہ پہلو جمع کئے گئے ہیں جن میں مثبت طرزِ فکر کو فروغ دینے میں شر کے نمائندوں کی طرف سے قدم قدم پر کھڑی کی گئی رکاوٹوں کا تذکرہ ہے۔ توحید کے راستے میں ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی پریشانیوں اور ذہنی اذیتوں میں گزر گئی۔ اور بالآخر وہ اللہ کا پیغام پہنچانے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ وہ اللہ سے راضی ہو گئے اور اللہ ان سے راضی ہو گیا۔

مشن کی پیش رفت کے سلسلے میں جب تک انسان ہر قسم کے دنیاوی مفاد حرص و آس، حسد، طمع، کبر و نخوت، بڑائی، احساس برتری اور احساسِ کمتری سے نجات حاصل نہیں کر لیتا اس کے اندر مشن کے لئے دیوانگی پیدا نہیں ہوتی۔

یہ مختصر کتابچہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک کے اس حصہ کا مجمل خاکہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے سلسلے میں ۲۳ سال جدوجہد اور کوشش فرمائی ہے۔ پیدائش کے بعد سے چالیس سال تک کی عمر بھی سالکان کے لئے مشعل راہ ہے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی
مرکزی مراقبہ ہال
سرجانی ٹاؤن، کراچی
۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۷ ہجری
بمطابق ۲۹ جولائی ۱۹۹۶ عیسوی

فہرست

بچپن کے ۱۲ سال

محمد الرسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا میں جب آنکھ کھولی تو ان کے والد حضرت عبد اللہ اس جہاں سے رخصت ہو چکے تھے۔ حضرت عبداللہ شادی کے کچھ عرصہ بعد ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے واپسی میں یثرب کے مقام پر بیمار ہوئے اور عالم جوانی میں وہیں انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے دو ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمطابق ۲۰ اگست ۵۷۰ء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (۹ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۲۲ اپریل ۵۷۱ء بھی حضورؐ کی تاریخ پیدائش روایت کی گئی ہے)۔ آپ کی والدہ حضرت آمنہ نے اپنے بیٹے کی پیدائش کی خبر اپنے سسر عبد المطلب کو بھیجی جو طواف کعبہ میں مصروف تھے۔ عبد المطلب گھر آئے اور حضورؐ کو خانہ کعبہ میں لے آئے اور اللہ تعالی سے ہر قسم کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھنے کی دعا کی۔ عبد المطلب نے آپ کا نام ''محمدؐ'' رکھا۔

جب آپؐ دنیا میں آئے تو سرزمینِ عرب سرسبز و شاداب ہو گئی۔ درخت پھلوں سے جھک گئے۔ مکہ میں خوشحالی آ گئی۔ اسی سال اصحاب الفیل کا واقعہ پیش آیا تھا۔ جب ابراھہ اور اس کی ساٹھ ہزار فوج اور ۱۳ ہاتھی سنگریزوں کی بارش سے کھائے ہوئے بُھس میں تبدیل ہو گئے۔

ولادت کے وقت زلزلہ آیا اور کسریٰ شہنشاہِ فارس کے محل کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ آتش کدۂ فارس میں صدیوں سے روشن آگ بجھ گئی۔

حضورؐ نے تین دن تک اپنی ماں کا دودھ پیا پھر ثوبیہ کا دودھ پیا۔ دو سال پہلے ثوبیہ نے آنحضرتؐ کے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا۔ یہ وہ خوش قسمت خاتون تھیں جنھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کی خبر ابولہب کو سنائی تو ابولہب نے انہیں آزاد کر دیا۔ عربوں میں رواج تھا کہ پرورش کے لیے کم سن بچوں کو دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ دیہاتوں میں رہنے والی عرب عورتیں سال کے مختلف حصوں میں مکہ آتی تھیں اور شیر خوار بچوں کو پرورش کرنے کے لئے صحرا میں لے جاتی تھیں۔ قبیلہ بنو سعد بن بکر کی عورتوں نے دوسرے بچوں کو گود لیا اور حضرت حلیمہ نے محمدؐ کو سینے سے لگایا۔ ابتدائی عمر کے چار سال آپؐ نے بنو سعد میں دائی

حلیمہ کی رضاعت کے زیر سایہ گزارے۔ رضاعت سے فارغ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی والدہ کے پاس آ گئے۔ جب آپؐ چھ سال کے ہوئے تو حضرت آمنہ اپنے خاوند کے مزار کی زیارت کے لئے یثرب تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں اُم ایمن بھی ہمراہ تھیں۔ حضرت آمنہ ایک ماہ تک یثرب میں مقیم رہیں۔ وہاں روز بروز ان کی صحت خراب ہو گئی اور مکہ واپس آتے وقت سفر میں ابواء کے مقام پر ان کا انتقال ہو گیا۔ اُم ایمن محمد الرسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ لائیں اور ان کے دادا عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ دادا عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ دادا مرتے وقت اپنے آٹھ سالہ یتیم پوتے کو اپنے بیٹے ابو طالب کے حوالے کر گئے اور متوسط الحال ابو طالب کی سرپرستی میں محمدؐ کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔

آٹھ سال کی عمر میں جبکہ بچے دنیا کی اونچ نیچ سے بے خبر کھیل کود میں مگن ہوتے ہیں محمدؐ دن بھر بکریوں کی رکھوالی کرتے، جنگل میں انہیں چرانے لے جاتے، دوپہر کے کھانے میں جھڑ بیری کے بیر کھا کر پیٹ بھرتے، اونٹوں کی مہار پکڑتے اور گھر کے چھوٹے بڑے کام کرتے تھے۔ محمدؐ نے اپنے چچا کا ہاتھ بٹانے کے لئے اور چچا کے کندھوں سے اپنا بوجھ ہٹانے کے لئے مذکورہ بالا مصروفیتیں تلاش کر لیں۔ اگرچہ ابو طالب نے بھتیجے اور اپنے بچوں کے درمیان فرق نہ کیا اور دونوں میاں بیوی نے حقیقی بیٹے کی طرح ان کی پرورش کی لیکن ماں کی محبت اور باپ کی شفقت کا بدل تو نہیں ہوتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آٹھ سال کی عمر میں ہر صبح شہر سے باہر نکل جاتے اور شام گئے تک اکیلے صحرا میں رہتے تھے۔ اکثر اوقات لامحدود آسمان اور لامتناہی اُفق پر نظریں جمائے رکھتے اور سورج ڈھلنے سے پہلے مویشیوں کو لے کر واپس آبادی میں لوٹ آتے۔ وہ بچہ جس کا باپ نہ ہو، جس کی ماں نہ ہو اور جو کھیلنے کودنے کی عمر میں محنت مشقت کرے وہ زندگی میں خود کفیل (Self Made) ہوتا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کے چچا ابو طالب ایک تاجر تھے۔ وہ محمدؐ کو بارہ سال کی عمر میں شام لے گئے۔ شام کے شہر ''بصرہ'' کے نزدیک ان کا کارواں ٹھہرا۔ جس جگہ کارواں نے پڑاؤ کیا وہاں ایک صومعہ میں بحیراء نامی راہب رہتا تھا۔ سریانی زبان میں بحیراء کے معانی بزرگ اور دانشور کے ہیں۔ بحیراء نے اس دن تک اپنے صومعہ سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور نہ کسی کارواں کے مسافر سے گفتگو کی تھی۔ عربوں کا یہ تجارتی قافلہ جب صومعہ کے قریب فروکش ہوا تو بحیراء نے دیکھا کہ جس درخت کے نیچے قافلہ والے ٹھہرے ہیں اس کی ٹہنیاں خود بخود جھک گئی ہیں۔ اس نے دیکھا کہ ایک بارہ سالہ لڑکا قافلہ میں شامل ہے جس پر بادل کا ٹکڑا سایہ کئے ہوئے ہے۔ بحیراء نے آپؐ کو بحیثیت آخری نبی پہچان کر آپ کے سرپرست ابو طالب کو نصیحت کی کہ بھتیجے کی پوری پوری نگرانی کریں۔

ابو طالب نے کہا کہ آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بچہ وہی ہے جس کا تذکرہ الہامی کتابوں میں ہے۔ بحیراء نے جواب دیا تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لئے جھک نہ گیا ہو۔

صادق اور امین

مکہ کے رہنے والے دو طریقوں سے اپنی معاشی ضروریات کو پورا کرتے تھے ایک تجارت اور دوسرے مویشیوں خاص طور پر اونٹوں کی پرورش کے ذریعے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجارت کو ذریعہ معاش بنانا پسند فرمایا۔ سوداگر قیس بن زید اپنا سامان تجارت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دیتا تھا تاکہ وہ اسے فروخت کرنے کے لئے دوسرے شہروں میں لے جائیں۔ حساب کتاب میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ آپؐ اشیائے تجارت کی فروخت کے لئے جب بھی سفر پر روانہ ہوتے مکہ کے دوسرے تاجر یہ خواہش کرتے تھے کہ حضورؐ ان کا سامانِ تجارت بھی لے جائیں۔ انہی تاجروں میں سے ایک خاتون حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ پیغام بھجوایا کہ اگر وہ چاہیں تو ان کے تجارتی قافلے کے ہمراہ سفر پر روانہ ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پیشکش کو اپنے چچا کے مشورے سے قبول کر لیا۔ حضرت خدیجہؓ کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی خاندانی شرافت، عزت و توقیر اور اعلیٰ کردار کی بناء پر مکہ کے بڑے بڑے رئیس اور سردار ان سے شادی کے خواہاں تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجموعہ صفات ذات نے حضرت خدیجہؓ کو بے حد متاثر کیا۔ انھوں نے اپنی سہیلی نفیسہ بن منبہ کے ذریعے شادی کا پیغام بھیجا۔ نکاح میں نبی ہاشم اور رؤسائے مکہ شریک ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانچ سو درہم بطور حق مہر حضرت خدیجہؓ کو ادا کئے۔ یہ روایات بھی ملتی ہیں کہ حق مہر کے طور پر بیس اونٹ دیئے گئے تھے۔

سن ۶۰۵ عیسوی میں جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پینتیس (۳۵) سال کے تھے مکہ میں دو ناگوار واقعات پیش آئے۔ پہلا یہ کہ خانہ کعبہ میں آگ لگ گئی اور دوسرا یہ کہ سیلاب اس کے کچھ حصوں کو بہالے گیا۔ جس کی بناء پر خانہ کعبہ کو خاصا نقصان پہنچا۔ قریش کے دس قبیلوں نے یہ فیصلہ کیا کہ لوگوں سے چندہ جمع کیا جائے اور عوامی چندہ کی مدد سے خانہ کعبہ کی مرمت کی جائے۔ مرمت کا کام جس رومی معمار کو سونپا گیا اس نے مشورہ دیا کہ مرمت کے بجائے خانہ کعبہ مکمل طور پر ڈھا دیا جائے اور از سر نو تعمیر کی جائے۔ قریش کے بزرگوں نے صلاح مشورہ کے بعد خانہ کعبہ کو ڈھانے کی منظوری دے دی اور رومی معمار نے بلا توقف اپنا کام شروع کر دیا۔ تعمیر کعبہ میں تمام قبائل نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن جب حجر اسود کی تنصیب کا مرحلہ آیا تو قریش کے دس قبیلوں کے درمیان شدید اختلاف ہو گیا۔ کیونکہ ہر قبیلہ کی خواہش تھی کہ حجر اسود کو خانہ کعبہ میں لگانے کا اعزاز صرف اسے حاصل ہونا

چاہیئے۔اس قضیئے کا حل حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے یہ نکالا کہ ایک چادر منگوا کر حجر اسود کو اس چادر پر رکھ دیا اور قریش کے دوسرے لوگوں نے اس چادر کو چاروں طرف سے پکڑ کر اٹھایا اور خانہ کعبہ کی دیوار تک لے گئے۔خود حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے بھی اس چادر کا ایک کونہ اپنے ہاتھ میں تھاما اور قریش کے دوسرے لوگوں کی مدد سے حجر اسود کو خانہ کعبہ کی دیوار تک پہنچا کر نصب کر دیا۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا

حضورؐ کی عمر مبارک جب چالیس برس کی ہوئی تو طبیعت کا میلان تنہائی کی طرف زیادہ ہو گیا۔ ستو اور پانی لے کر مکہ سے دو میل دور غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کائناتی امور اور قدرت کی پھیلائی ہوئی نشانیوں پر تفکر کرتے، مظاہر قدرت کے پس پردہ کام کرنے والے حقائق کا کھوج لگاتے۔ اسی غار میں آپؐ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب ہر سال ایک ماہ کا عرصہ گزارتے تھے۔
غار حرا میں ایک رات جبرائیل امین تشریف لائے اور آپ ﷺ سے کہا "پڑھو!"

آپ ﷺ نے فرمایا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"۔

جبرائیل امین نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا "پڑھو"۔ آپ ﷺ نے وہی جواب دہرایا۔ جبرائیل نے دوبارہ بھینچ کر سینے سے لگایا اور کہا، پڑھو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرائیل امین نے تیسری مرتبہ بازوؤں کے حلقہ میں لے کر دبایا اور کہا۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے بنایا۔

آدمی لہو کی پھٹکی سے۔

پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔

جس نے علم سکھایا قلم سے۔

سکھایا آدمی کہ جو نہ جانتا تھا۔ (علق)

اس واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ جس وقت آپ ﷺ گھر تشریف لائے آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا اور طبیعت میں ضعف اس قدر غالب تھا کہ آپ ﷺ دیوار کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو سہارا دیا اور اس تھکان کی وجہ دریافت کی۔ آپ ﷺ نے جواب میں کہا۔ "مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر

اوڑھادو"۔ انہوں نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھادی۔ جب طبیعت سنبھلی تو آپ ﷺ نے سارا واقعہ بیان کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی اور کہا، "اللہ تعالی آپ ﷺ کو رسوانہ کرے گا، آپ ﷺ صلۂ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں"۔ حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غار حرا میں پیش آنے والا واقعہ بتایا تو ورقہ بن نوفل نے کہا کہ خدا کا یہ کلام بلاشبہ وہی "ناموس" ہے جو اس سے پہلے حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ لغوی اعتبار سے ناموس خدا کے ان احکام کا نام ہے جو بنی نوع انسان کے لئے وضع کئے جاتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل نے حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو اس کی بناء پر لوگ تمہارے دشمن بن جائیں گے۔ اے کاش میں اس وقت تک زندہ رہ سکوں کہ دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکوں۔ تین سال تک حضور ﷺ راتوں کو غار حرا میں جاتے رہے اور وہاں صبح تک غور و خوض میں ڈوبے رہتے اور دائم خدا کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی جبرائیل کی آواز بھی سنائی دیتی جو صرف یہ کہتے کہ یا محمد ﷺ! آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور میں اس کا فرشتہ جبرائیل ہوں۔ لیکن اس کے علاوہ جبرائیل کوئی اور بات نہ کہتے تھے۔ ایک رات جبرائیل غار میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور سورۃ الضحیٰ تلاوت کی۔ عربی زبان میں والضحیٰ کا مفہوم یہ ہے، قسم اس وقت کی جب سورج کی شعاعیں افق سے نمودار ہوں اور رفتہ رفتہ یوں پھیلنے لگیں کہ زمین کا گوشہ گوشہ سورج کی روشنی سے چمک اٹھے اور پھر ساری کائنات آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے سورج کے نور سے منور ہو جائے۔

"واللیل اذا سجیٰ" اس آیت کی دوسری سوگند ہے۔ پہلی سوگند کی طرح اس کے مجازی معنی بھی بہت وسیع ہیں۔ قسم اس وقت کی جب تاریکی چھا جاتی ہے اور دنیا تاریکی میں ڈوب جاتی ہے اور اس جہاں پر طاری ہونے والا سکوت اتنا گہرا ہوتا ہے کہ کہیں دور سے اٹھنے والی ہلکی سی آواز بھی بہت قریب سے سنائی دیتی ہے۔ مذکورہ سورۃ کی تیسری آیت میں خدا نے حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد کیا ہے، "ماودعک ربک وماقلیٰ" اس آیت میں حضور ﷺ کے ذہن میں ابھرنے والی تشویش کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ آپ پریشان تھے اور یہ تصور کر رہے تھے کہ خدا نے اپنی شناسائی کے بعد آپ کو اکیلا چھوڑ دیا ہے اور آپ سے اپنی دوستی اور محبت واپس لے لی ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں اور خدا نے آپ کو چھوڑا نہیں اور آپ بدستور خدا کے محبوب ہیں۔

حضور ﷺ پر ایمان لانے والی پہلی شخصیت ان کی زوجہ حضرت خدیجہؓ تھیں اور اس کے بعد ان کے چچا کے بیٹے حضرت علیؓ ابن ابی طالب مسلمان ہوئے۔ جنہیں حضور ﷺ نے اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا تھا۔ تیسرے مسلمان حضور ﷺ کے غلام زیدؓ تھے۔ جنہیں رسول خدا نے آزاد کر دیا تھا لیکن وہ اپنے والدین کے پاس جانے پر رضامند نہ ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں حضور ﷺ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے بعد کوئی اور شخص حضور

ﷺ پر ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوا۔ تین سال کی مدت میں یعنی ۶۱۰ء سے ۶۱۳ء تک مسلمانوں کی تعداد خود حضور ﷺ کے علاوہ، انہی تین افراد پر مشتمل تھی۔ اس سال حضرت ابو بکرؓ بھی مسلمان ہو گئے اور یوں مسلمانوں کی تعداد چار ہو گئی۔

دعوتِ حق

سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ ''وانذر عشیر تک الاقربین ''یعنی ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو دین اسلام کی دعوت دیں''۔ کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے اپنے چچاؤں اور ان کی اولاد کو ضیافت میں جمع کیا اور پیغام حق سنایا۔ ابولہب یہ سن کر بولا۔ تمہارا خاندان سارے عرب سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتا۔ نادانی کی باتیں نہ کرو۔ تمہارے لئے تمہارے باپ کا خانوادہ ہی کافی ہے۔ اگر تم اپنی بات پر قائم رہے تو یہ بہت آسان ہوگا کہ قریش کے سارے لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں اور بقیہ عرب بھی ان کی مدد کریں اور میں سب سے زیادہ حق دار ہوں کہ تمہیں پکڑلوں۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے خاموشی اختیار کرلی اور اس مجلس میں کوئی گفتگو نہ کی۔ کچھ عرصہ بعد حضور ﷺ نے انہیں دوبارہ جمع کیا اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا کے بعد اپنی رسالت کا اعلان کیا۔ لیکن اہل خاندان نے بات سنی اَن سنی کردی اور کسی بات کو قبول نہیں کیا۔ قرابت داروں کو تبلیغ کے حکم پر جب عملدرآمد ہو گیا تو سورۃ الحجر کی آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: ''سو سنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان نہ کر شرک والوں کا''۔ (آیت ۹۴)

حکم کی تعمیل میں سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مکہ کو دعوت دی کہ وہ مقررہ دن کوہ صفا پر جمع ہوں کیونکہ وہ ایک اہم بات ان تک پہنچانا چاہتے ہیں؟ سبھی لوگ جن میں حضور ﷺ کے قریبی رشتہ دار بھی شامل تھے کوہ صفا پر جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ نے بلندی پر کھڑے ہو کر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اے لوگو! اگر میں کوئی اہم بات تمہارے لئے بیان کروں تو کیا تم قبول کرلو گے؟''۔ حاضرین نے ایک آواز ہو کر جواب دیا، ''اے محمد ﷺ! ہمیں تمہاری بات پر یقین ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تم راست گو ہو اور کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتے''۔ حضور ﷺ نے کہا ''اے لوگو! اللہ نے مجھے رسالت کے لئے منتخب کرلیا ہے اور میں اس کی طرف سے مامور ہوں تاکہ میں تمہیں احکام خداوندی کو ماننے اور اللہ تعالی کی اطاعت کرنے کی دعوت دوں اور اگر تم لوگ اللہ کی اطاعت سے منہ پھیرو گے تو تم پر اس کا غضب نازل ہوگا۔ جب حضور ﷺ نے ان کلمات کو ادا کیا تو ابی لہب نے چلاتے ہوئے کہا کہ ''اے محمد! کیا تو نے یہی بات سنانے کے لئے ہمیں یہاں بلایا تھا؟ اور کیا تو نے یہ نہیں سوچا کہ ان باتوں کی اتنی اہمیت نہیں کہ ہم اپنا کاروبار چھوڑ کر یہاں چلے آئیں''۔ پھر ابی لہب وہاں موجود لوگوں سے مخاطب ہوا ''اس کی باتوں پر کان مت دھرو

اور اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ محمد تو اپنی عقل کھو بیٹھا ہے‘‘۔ لوگ منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضور ﷺ کے پاس صرف دو افراد رہ گئے ایک حضرت علیؓ اور دوسرے حضرت زیدؓ۔ اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ کے قریبی رشتہ داروں نے ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دی اور انہیں طعن و تمسخر کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ جب جماعت قریش اور خاص طور پر ابی لہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے یہ دیکھا کہ ان کی زبان کے تیر حضور ﷺ پر بظاہر اثر انداز نہیں ہو رہے تو وہ لوگ پیغمبر اسلام کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے پر اتر آئے۔ اگرچہ ابی لہب اور اس کی بیوی کا تعلق مکہ کے ’’مہذب‘‘ طبقے سے تھا لیکن اخلاقی طور پر وہ انتہائی پست درجے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ دونوں حضور ﷺ کی طرف پتھر پھینکتے تھے جس کے باعث ان کے گھر کی کھڑکیاں جو لکڑی سے بنی ہوئی تھیں ٹوٹ جاتی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ پیسے دے کر آوارہ بچوں کے ذریعے حضور ﷺ کے گھر پر پتھراؤ کرواتے تھے اور مردہ جانوروں کی آلائشیں اور ان کی گندگی کو حضور ﷺ کے گھر پھینکواتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بھی گھر سے باہر نکلتے تو ام جمیل اور ابی لہب کے اکسانے پر گلی کوچوں کے بچے اور دوسرے آوارہ لوگ انہیں پتھروں کا نشانہ بناتے۔ جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر اور چہرے سے خون بہنے لگتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دامن سے خون پونچھتے اور جب گھر واپس پہنچتے تو حضرت خدیجہؓ انہیں اس حال میں دیکھ کر دکھ بھرے لہجے میں پوچھتیں، ’’یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آج بہت رنج اٹھایا ہے؟‘‘ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں کہتے ’’اے خدیجہؓ! جب انسان یہ جان لے کہ وہ کس مقصد کے لئے اور کس کی خاطر رنج اٹھا رہا ہے تو اسے دکھ اور درد کا احساس نہیں رہتا‘‘۔ ابی لہب کی بیوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں نوکیلے کانٹے بچھاتی تھی تاکہ وہ ان کے پاؤں میں چبھ جائیں اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر پہنچ کر اپنے پاؤں سے کانٹے نکالتے تو خون جاری ہو جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان والوں نے انہیں اتنی تکالیف پہنچائیں کہ ایک دن دلبر داشتہ ہو کر خدا کے حضور عرض کیا ’’اے اللہ! تو بہتر جانتا ہے ان میں سے کوئی بھی تیرے دین کو قبول کرنے پر تیار نہیں‘‘۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دلجوئی کی:

ترجمہ:

’’سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور دھیان نہ کر شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی، سو آگے معلوم کریں گے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان باتوں سے۔ سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھے یقین‘‘۔ (الحجر ۹۴تا۹۹)

ابی لہب نے جب یہ دیکھا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام حق بات کہنے سے نہیں رکتے تو اس نے کمینگی کی انتہا کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ابی لہب کے گھر بیاہی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ کو رنج

میں مبتلا کرنے کے لئے اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے انہیں طلاق دلوا کر باپ کے گھر بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ابو لہب کے بیٹوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ان کی بیویاں "محمد" جیسے شخص کی بیٹیاں ہوں کیونکہ آج محمد تمام لوگوں کی نفرت اور مذمت کا شکار ہے اور ایسے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنا مکہ میں شرم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ اس واقعہ سے دلبر داشتہ ہوئیں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک باپ تھے اور دوسرے تمام والدین کی طرح انہیں بھی اپنی بچیوں کا گھر بار اجڑنے پر صدمہ پہنچا تھا لیکن خاندانی دشمنی اور طرح طرح کے نفسیاتی دباؤ کے باوجود ان کے قدم نہ ڈگمگائے اور انہوں نے خدا کے دین کی تبلیغ میں ایک لحظہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔ بہر حال بعثت کے چوتھے سال تک ان کے قریبی رشتہ دار اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد انہیں مختلف قسم کی اذیتیں پہنچاتے رہے۔اس کے بعد انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے راستے سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا۔اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عملی طور پر اپنے دین کی منادی شروع کر دی تھی اور وہ اپنے رشتہ داروں اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد سے فرماتے تھے:

"ان خداؤں کی پرستش نہ کرو جو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔ صرف اس خدا کی عبادت کرو جس کا کوئی شریک نہیں اور جو ساری کائنات کا مالک ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب رشتہ دار اور قبیلہ قریش کے دوسرے افراد ان سے یہ پوچھتے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم ان خداؤں کی پوجا کرنا چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں فرمایا۔"ہاں! خود ساختہ خداؤں کی پرستش چھوڑ دو، ایک اللہ وحدہ لا شریک کی پرستش و عبادت کرو"۔

یہ جواب سن کر قریش کا غیض و غضب شدت اختیار کر گیا اور وہ فیصلہ کن اقدام کے بارے میں سوچنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دن کے وقت اپنے گھر سے نکل کر خانہ کعبہ کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔ قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پابندی عائد کر دی کہ وہ "بیت اللہ" میں داخل نہیں ہو سکتے۔

ایک ہاتھ میں سورج۔ایک ہاتھ میں چاند

کفار مکہ کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اپنا شرف اور اقدار برقرار رکھیں۔ باہمی مشاورت سے اشرافِ قریش کی جماعت آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آئی انہوں نے شکایت کی کہ اے ابو طالب! آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ اس نے ہمارے باپ دادا کے طریقے پر نقطہ چینی کی ہے۔ ہمیں عقل و فہم سے عاری قرار دیتا ہے۔ محمد ہمارے باپ دادا کو بھی گمراہ کہتا ہے۔ ہم یہ توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ یا تو اسے روک دیں کہ وہ ان باتوں سے باز آجائے یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق کا پرچار جاری رکھا اور باطل کی تکذیب کرتے رہے۔ اہل مکہ سے صبر نہ ہو سکا وہ دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے اور سختی سے مطالبہ کیا کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک دو یا اس کی حمایت سے دستبردار ہو جاؤ۔ ورنہ ہم سب تمہارے خلاف جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ فریقین میں سے ایک دنیا میں نہ رہے۔ ابو طالب کو اپنے یتیم بھتیجے کی فکر لاحق ہوئی اور انہیں بلا کر سمجھانے لگے۔ حضور ﷺ نے جب اپنے مہربان چچا کے منہ سے تبلیغ حق ترک کر دینے کا مشورہ سنا تو فرمایا: ''

خدا کی قسم! وہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا حکم اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، میں ہرگز اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم میں اس جدوجہد میں اپنی جاں دے دوں''۔

ابو طالب نے جب اپنے بھتیجے کا یہ عزم دیکھا تو کہا، ''تم اپنا کام کرتے رہو۔ میں تمہاری حمایت سے کسی وقت بھی دستبردار نہیں ہوں گا''۔

اسی دوران حج کا موسم آگیا۔ قریش کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ عرب کے وفود کے سامنے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نئے دین کا پرچار ضرور کریں گے۔ لہٰذا اس کے توڑ کے لئے پہلے ہی اقدامات طے کر لئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے وہ ''دارالندوۃ'' میں جمع

ہوئے۔ دارالندوہ قریش کا پارلیمنٹ ہاؤس تھا۔ یہ کعبہ شریف کے پہلو میں ایک ذی شان محل تھا۔ قریش جب کسی اہم اور خاص کام کو شروع کرنا چاہتے تو سب اسی محل میں جمع ہو کر صلاح مشورہ کرتے تھے۔

ولید بن مغیرہ کی سرکردگی میں گفت و شنید ہوئی۔ کسی نے کہا کہ پاگل مشہور کر دیا جائے، کسی نے مشورہ دیا کہ کاہن کے نام سے شہرت دی جائے۔ کسی نے کہا شاعر کہا جائے۔ لیکن ولید بن مغیرہ کسی بات سے متفق نہ ہوا۔ بالآخر سب نے اس سے رائے مانگی تو اس نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کی حیثیت سے مشہور کر دیا جائے۔ لٰہذا طے پایا کہ مکہ کے تمام راستوں پر اپنے آدمی بٹھا دیئے جائیں تاکہ اطراف عالم سے جو لوگ حج کے لئے آئیں انہیں یہ باور کرایا جائے کہ یہاں ایک ساحر ہے جو اپنے کلام سے باپ بیٹے اور خاوند بیوی میں اور تمام رشتوں میں باہمی تفریق ڈال دیتا ہے۔ لٰہذا تم لوگ اس کے پاس نہ جانا۔ قرآن نے اس مجلس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

ترجمہ:

''اس نے سوچا اور اندازہ لگایا۔

وہ غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔

پھر غارت ہو اس نے کیسا اندازہ لگایا۔

پھر نظر دوڑائی۔

پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بسورا۔

پھر پلٹا اور تکبر کیا۔

آخر کار کہا کہ یہ نرالا جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا آرہا ہے۔

یہ محض انسان کا کلام ہے۔'' (مدثر، ۲۴-۱۸)

اس کام میں سب سے زیادہ پیش پیش ابولہب تھا۔ وہ لوگوں کے ڈیروں اور عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا۔ جہاں آپ ﷺ تبلیغ کرتے ابولہب پکار پکار کر لوگوں کو کہتا کہ اس کی بات نہ ماننا۔ لوگ جب حج سے واپس

ہوئے تو ان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس طرح پورے عرب اور قرب و جوار میں آپ ﷺ کا چرچا پھیل گیا اور کفار کی تدبیر الٹ گئی۔

کفار مکہ نے جب یہ دیکھا کہ ان کی تدبیریں ناکام ہو رہی ہیں اور آپ کی دعوت عام ہو رہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ لوگ اسلام کی تعلیمات سے واقف ہو رہے ہیں تو انہوں نے مشورہ کر کے مکہ کے سب سے چالاک اور زیرک سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو دنیاوی طمع اور لالچ دے کر تبلیغ دین سے روک دے۔

عتبہ نے آپ کے پاس پہنچ کر کہا، ''بھتیجے تم حسب و نسب میں ہم سب سے بہتر ہو۔ تم نے ہمارے آباؤاجداد کے طریقہ کو باطل قرار دیا ہے اور انہیں جاہل سے تعبیر کیا ہے۔ تم آج اپنے دل کی بات کہہ دو کہ تمہارا مدعا کیا ہے؟ اگر تم دولت کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو تو ہم تمہارے واسطے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم اہل مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر سرداری حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم اس پر راضی ہیں کہ تمہیں قریش کا سردار بنا دیں۔ اگر تم شادی کے خواہش مند ہو تو مکہ کی سب سے خوبصورت لڑکی کو تمہاری دلہن بنا دیں گے اور اگر یہ سب نہیں ہے اور تم کسی جن یا ماورائی طاقت کے زیر اثر ہو جس کی باتیں تم لوگوں کو سناتے ہو اور اس سے چھٹکارا پانے سے عاجز ہو تو ہم تمہارے لئے حاذق طبیب تلاش کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارا علاج کرے اور تمہیں صحت حاصل ہو''۔

عتبہ کے طویل لیکچر کے بعد سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں سورۃ حٰم السجدہ کی تلاوت کی۔ عتبہ گم سم سنتا رہا۔ پھر اٹھ کر اپنی قوم میں واپس آگیا۔ عتبہ کو آتا دیکھ کر مشرکین مکہ نے ایک دوسرے سے کہا، خدا کی قسم! ابوالولید تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آرہا جو چہرہ لے کر گیا تھا۔ عتبہ نے کہا، ''آج میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس سے پہلے اپنی عمر میں کبھی نہیں سنا تھا۔ خدا کی قسم! نہ وہ شاعری ہے، نہ جادو، نہ وہ نجومیوں کا کلام ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم سب اس کو اذیت دینے سے باز آجاؤ۔ جو کلام میں نے سنا ہے اس کی شان ظاہر ہونے والی ہے۔ میری بات مانو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر عرب اس پر غالب آگئے تو تمہارا کام دوسرے کے ذریعے انجام پائے گا اور اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی عزت ہماری عزت ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے ہی قبیلہ سے ہے''۔ لوگ حیرت سے اس کو تکنے لگے پھر انہوں نے رائے قائم کی کہ عتبہ پر محمد ﷺ کا جادو چل گیا ہے۔

ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے تھے قریش کے سرکردہ افراد ان کے پاس آئے اور تجویز پیش کی کہ اے محمد! آؤ جسے تم پوجتے ہو اسے ہم بھی پوجیں اور جسے ہم پوجتے ہیں اسے تم بھی پوجو۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں۔ یہ روایت بھی ملتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ ایک سال آپ ﷺ قریش کے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال قریش آپ ﷺ کے رب کی عبادت کیا کریں گے۔ قریش کی اس قسم کی تجاویز کے جواب میں سورۃ کافرون

نازل ہوئی۔ جب قریش کا کوئی حیلہ کار گر نہ ہوا تو ایک بار پھر انہوں نے غور و خوض کیا اور آپ ﷺ کی دعوت کا قلع قمع کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ قرآن نے کفار کی اس مہم کا تذکرہ جگہ جگہ کیا ہے:

ترجمہ:

"اور لوگ کہتے ہیں، اے شخص کہ تجھ پر اتری ہے نصیحت تو یقیناً دیوانہ ہے"۔ (الحجر ۶)

ترجمہ:

"اور اچنبھا کرنے لگے اس پر ان کو ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے، اور لگے کہنے منکر یہ جادو گر ہے جھوٹا"۔ (ص ۴)

ترجمہ:

"اور منکر تو لگے ہی ہیں کہ ڈگا دیں تجھ کو اپنی نگاہوں سے، جب سنتے ہیں سمجھوتی اور کہتے ہیں وہ باولا ہے"۔ (القلم ۵۱)

ترجمہ:

"اور اسی طرح آزمایا ہے ہم نے ایک کو ایک سے کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے فضل کیا ہم سب میں سے؟ کیا اللہ کو معلوم نہیں حق ماننے والے"۔ (انعام۔ ۵۳)

ترجمہ:

"جو گنہگار ہیں، وہ تھے ایمان والوں سے ہنستے۔ اور جب ہو نکلتے ان کے پاس آپس میں اشارے کرتے۔ اور جب پھر کر جاتے اپنے گھر، پھر جاتے باتیں بناتے۔ اور جب ان کو دیکھتے، کہتے بیشک یہ لوگ بہک رہے ہیں۔ اور ان کو بھیجا نہیں ان پر نگہبان"۔ (المطففین ۲۹۔ ۳۳)

ترجمہ:

"اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں اگلوں کی، جو لکھ لایا ہے، سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس پاس صبح و شام"۔ (الفرقان۔ ۵)

ترجمہ:

''اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر جھوٹ باندھ لایا ہے اور ساتھ دیا اس کا اس میں اور لوگوں نے، سو آئے بے انصافی اور جھوٹ پر''۔(الفرقان۔۴)

ترجمہ:

''اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو سکھاتا ہے آدمی''۔(النحل۔۱۶)

ترجمہ:

''اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں، کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ڈرانے کو''۔(الفرقان۔۱۷)

اذیت کمیٹی

مشرکین کی کاروائیاں حق کے پرچار کو روکنے میں کامیاب اور مؤثر ثابت نہیں ہو رہی تھیں۔ کفار اس صورتِ حال سے پریشان تھے۔ بالآخر ۲۵ سرداران قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا سربراہ ابی لہب تھا۔ کمیٹی نے طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذاء رسانی اور اسلام لانے والوں کو طرح طرح کے جور و ستم اور ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی جائے گی۔

ابو لہب عداوتِ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر بڑھ گیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تو ابو لہب خوشی سے دوڑتا ہوا اپنے رفقاء کے پاس پہنچا اور انہیں اپنے تئیں خوشخبری سنائی کہ محمد ﷺ ابتر (نسل بریدہ) ہو گئے ہیں۔ قرآن حکیم نے ابی لہب کے اس عمل سے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچنے والے دکھ کا مداوا سورۃ کوثر میں کیا ہے۔

ترجمہ:

"ہم نے تجھ کو دی کوثر۔

سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔

بے شک جو بیری ہے تیرا وہی رہا پیچھا کٹا"۔

(الکوثر)

ایک دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں اللہ کی عبادت کر رہے تھے ابو جہل اپنے قبیلے کے کچھ دوسرے افراد کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا۔ ابو جہل کے ہاتھ میں اونٹ کی اوجڑی تھی جس میں کثیف خون اور دوسری گندگیاں بھری ہوئی تھیں۔ جزیرۃ العرب میں کسی کو سزائے موت دینے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ پانی یا خون یا دوسری گندگیوں سے بھری ہوئی اونٹ کی اوجڑی کو سر پر اس طرح چڑھا دیتے تھے کہ سر اور چہرا اوجڑی کے اندر پھنس جاتا تھا اور پھر اوجڑی کے نچلے حصے کو کسی تھیلے کے منہ کی طرح مضبوطی

سے گردن میں باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح ناک اور منہ مکمل طور پر اوجڑی کے غبارہ میں بند ہو جاتے تھے اور سانس رک جاتا تھا..........دم گھٹنے کے باعث جلد ہی موت واقع ہو جاتی تھی۔ اس روز ابو جہل اور اس کے ساتھی یہ فیصلہ کر کے آئے تھے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اوجڑی کے ذریعے ہلاک کر دیں گے۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی جب خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گرد وپیش سے بے خبر اللہ کے سامنے سر بسجود تھے۔ ابو جہل نے اونٹ کی اوجڑی سجدہ کی حالت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر رکھ دی اور جلد ہی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ اور سر اس اوجڑی میں مبتلا ہو گیا۔ پھر ابو جہل نے بڑی پھرتی کے ساتھ اوجڑی کے دوسرے سرے کو ایک تھیلی کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردن میں باندھ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جیسے ہی احساس ہوا کہ کوئی چیز ان کے سر پر رکھ دی گئی ہے تو انہوں نے اٹھ کر اپنے آپ کو نجات دلانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آس پاس موجود تھے وہ انہیں اپنی رہائی کے لیے تگ و دو کرتا ہوا دیکھ رہے تھے انہیں بخوبی یہ احساس تھا کہ سانس رکنے کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے قراری اور بے تابی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کے چہرے سے اور سر سے اوجڑی کا غلاف اتار دیں لیکن انہیں ابو جہل کا خوف تھا اور وہ جانتے تھے کہ اگر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کریں گے تو ابو جہل جیسے خوفناک شخص کی دشمنی مول لیں گے۔

قریش کی ایک عورت جو وہاں موجود تھی اس کربناک منظر کی تاب نہ لا سکی اور دوڑتی ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پہنچی اور ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی۔ حضرت فاطمہؓ سراسیمہ حالت میں روتے ہوئے خانہ کعبہ تک پہنچیں۔ ابو جہل اور دوسرے لوگوں نے جب حضرت فاطمہؓ کو آتے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور حضرت فاطمہؓ نے بلا تاخیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے اور سر کو اوجڑی کی گرفت سے آزاد کیا اور اپنے دامن سے ان کے چہرے کو صاف کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دم گھٹنے کے باعث ایک گھنٹہ تک حرکت کرنے کے قابل نہ ہو سکے اور اس کے بعد اپنی بیٹی کے سہارے کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ گھر پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہؓ کی مدد سے اپنے چہرے اور سر سے خون اور دیگر کثافت کو صاف کیا، کپڑے تبدیل کئے۔ حضرت فاطمہؓ نے اپنے والد کے کپڑے دھو کر سکھانے کے لیے دھوپ میں ڈال دیئے۔ اگلے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتہ روز کے واقعہ سے خوفزدہ ہوئے بغیر خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اس مرتبہ عقبہ نامی شخص نے سجدے کی حالت میں اپنی چادر ان پر ڈال دی اور اتنا شدید حملہ کیا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ عقبہ یہ کوشش کر رہا تھا کہ سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی

پے در پے وار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاتمہ کر دے۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے آپ کو حملہ آور کے ہاتھوں سے چھڑانے میں کامیاب ہو گئے اور خون آلود چہرہ کے ساتھ گھر واپس لوٹ آئے۔

ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا نام اروی تھا۔ ابو سفیان کی بیٹی تھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کی مہم میں پیش پیش تھی۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں اور ان کے دروازے پر کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ اس مذموم فعل پر قرآن میں سورۃ لہب نازل ہوئی۔ ام جمیل کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی اور اس کے شوہر کی مذمت میں آیات نازل ہوئی ہیں تو وہ سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کو تلاش کرتی ہوئی خانہ کعبہ پہنچ گئی۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جو وہ سنگ باری کے لیے لائی تھی۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی موجود تھے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس آئی اور پوچھا کہ تمھارا ساتھی کہاں ہے؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ اگر میں نے اس کو ڈھونڈ لیا تو یہ پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی۔ اس شور شرابے کے بعد وہ چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ کیا وہ آپ کو دیکھ نہیں رہی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ اللہ نے اس کو وقتی طور پر اندھا کر دیا تھا۔ امیہ بن خلف ابولہب کی ٹیم کا رکن تھا۔ وہ جب بھی سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتا لعن طعن کرتا اور مغلظات بکتا تھا۔ قرآن پاک کی سورۃ حمزہ کی پہلی آیت اسی سیاہ بخت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ترجمہ:

"لعن طعن اور برائیاں کرنے والے کے لیے تباہی ہے"۔

اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ستانے والوں میں تھا۔ قرآن نے سورۃ القلم میں اس کی خباثتیں گنوائی ہیں۔

ترجمہ:

"اور کہانہ مان کسی قسم کھانے والے کا بے قدر۔ طعنے دیتا چغلی لیے پھرتا، بھلے کام سے روکتا۔ حد سے بڑھتا گنہگار۔ اجڈ، اس سب کے پیچھے بدنام" (آیت ۱۰۔۱۳)

کفار اور رفقائے محمد ﷺ

سیدنا علیہ والصلوٰۃ والسلام کے خلاف کفار مکہ کی کارستانیاں اپنے عروج پر تھیں باوجود اس کے کہ آپؐ کے اعلیٰ کردار اور کریمانہ اخلاق کے مشرکین معترف تھے اور آپ کے معزز چچا ابو طالب کی حمایت و حفاظت آپ ﷺ کو حاصل تھی۔ دیگر مسلمانوں خصوصاً کمزور افراد کی ایذاء رسانی کی کاروائیوں کی تفصیل کچھ زیادہ ہی سنگین اور تلخ ہے۔

ابو جہل نے یہ وطیرہ اپنا رکھا تھا کہ جب کسی معزز اور طاقتور آدمی کے مسلمان ہونے کی خبر سنتا تو اسے بُرا بھلا کہتا۔ ذلیل و رسوا کرتا اور مال و جاہ کو سخت خسارے سے دوچار کرنے کی دھمکیاں دیتا اور اگر کوئی کمزور آدمی مسلمان ہوتا تو اسے مارتا اور دوسروں کو بھی برانگیختہ کرتا۔

حضرت عثمان بن عفانؓ جب مسلمان ہوئے تو ان کا چچا انہیں کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھواں دیتا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی بڑے ناز و نعم میں پلے تھے۔ ان کے قبول اسلام کی خبر جب ان کے گھر والوں کو ملی تو گھر والوں نے ان کا دانہ پانی بند کر دیا اور انہیں گھر سے نکال دیا۔ حالات کی شدت سے دوچار ہوئے تو کھال اس طرح ادھڑ گئی جیسے سانپ کینچلی چھوڑتا ہے۔

حضرت عمار یاسرؓ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ انہوں نے اور ان کے والدین نے اسلام قبول کیا تو کفار نے اس قدر ظلم کیا کہ وہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ سخت دھوپ کے وقت انہیں پتھریلی زمین پر لٹا کر سینے پر سرخ پتھر رکھ دیتے تھے اور کبھی پانی میں ڈبویا جاتا۔ مشرکین ان سے مطالبہ کرتے کہ جب تک محمد ﷺ کو بُرا بھلا نہیں کہو گے یا لات و عزیٰ کے بارے میں کلمہ خیر نہ کہو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمارؓ ان کی بات ماننے پر مجبور ہو گئے اور روتے ہوئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی:

ترجمہ:

"جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لائے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر، لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر غضب ہے اللہ کا اور ان کو بُری مار ہے"۔(النحل۔۱۰۶)

حضرت عمارؓ نے اسی ظلم و ستم کے نتیجہ میں شہادت پائی۔ان کی والدہ حضرت سمیہؓ اسلام کی پہلی شہید خاتون تھیں جن کو ابو جہل نے نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔

حضرت خباب بن ارت اُم انمار کے غلام تھے۔ان کی مالکہ قبیلہ خزاء سے تعلق رکھتی تھی۔قبیلہ والوں نے حضرت خباب کو سزا دینے کا یہ طریقہ استعمال کیا کہ دھکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر ان کے اوپر پتھر رکھ دیتے تھے۔ان کے بال نوچے جاتے اور گردن تکلیف دہ حد تک مروڑتے تھے۔

حضرت فکہیہؓ جن کا نام افلح تھا، بنی عبد الدار کے غلام تھے۔ان کے پاؤں رسی سے باندھ دیئے جاتے اور زمین پر گھسیٹا جاتا۔ حضرت عمرؓ قبیلہ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے۔قبیلہ کے خانوادہ بنی مؤمل کی خادمہ مسلمان ہو گئیں تو حضرت عمرؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہیں اس قدر مارتے تھے کہ مارتے مارتے خود تھک جاتے اور کہتے تھے کہ میں نے تجھے تھک جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔مشرکین بعض صحابہ کو اونٹ اور گائے کی کچی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔بعض صحابہ کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے انگاروں یا پتھر پر لٹا دیتے تھے۔

پہلے غلام جو حضرت زیدؓ کے بعد حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے وہ حضرت بلال حبشیؓ تھے۔جزیرۃ العرب میں تین چیزیں کسی انسان کے لئے مکمل تیرہ بختی کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔ایک اجنبی یا بیگانہ ہونا، دوسرے غلام ہونا اور تیسرے سیاہ فام ہونا اور حضرت بلالؓ میں یہ تینوں چیزیں موجود تھیں۔جب ان کے مالک کو یہ اطلاع ملی کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ انہیں مکہ سے باہر لے گیا اور ان کے کپڑے اتروا کر انہیں دہکتے ہوئے سورج کے نیچے تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا۔ان کے ہاتھ پیر باندھ دیئے اور سینہ پر بھاری پتھر رکھوا دیا اور ان سے کہا کہ یا تو اسلام کو چھوڑ دے یا تپتی ہوئی ریت پر پڑا رہ۔یہاں تک کہ تیری جان نکل جائے۔حضرت بلالؓ یہ جانتے تھے کہ ان کا مالک اپنے کئے پر عمل کرے گا اور ان کے ہاتھ پیر نہیں کھولے گا لیکن انہوں نے دین حنیف سے دستبردار ہونے کے بجائے موت سے ہم آغوش ہونا گوارا کر لیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔لیکن اسی دوران عبداللہ بن عثمان جو حضرت ابو بکرؓ کے نام سے مشہور تھے حضرت بلالؓ کو نجات دلانے کی غرض سے ان کے مالک کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے حضرت بلالؓ کو خریدنے کی تجویز پیش کر دی۔حضرت بلالؓ کے مالک نے جب یہ دیکھا کہ حضرت ابو بکرؓ اس کے غلام کو بہت مناسب قیمت پر خرید رہے ہیں تو اس نے انہیں بیچنے پر رضامندی ظاہر کر دی اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خریدنے کے بعد آزاد کر دیا۔ دو عورتیں جو حضرت عمرؓ کی خادمہ تھیں حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ان میں سے ایک کا نام "لبنیہ" اور دوسری کا نام "زنیرہ"

تھا۔ عمر حضرت بلالؓ کے مالک کی طرح شقی القلب نہ تھے کہ ان کنیزوں کو بندھوا کر تپتی ہوئی زمین پر پھینک دیں بلکہ انہوں نے ان دونوں کو کوڑوں کی سزا کا مستحق سمجھا اور ان سے کہا کہ میں اس وقت تک تم پر کوڑے برساتا رہوں گا جب تک دو باتوں میں سے ایک پوری نہیں ہو گی۔ تم محمدؐ کے دین کو چھوڑ دو یا تمہاری جان نکل جائے۔ اگرچہ ان دونوں کنیزوں کا بدن لہولہان ہو چکا تھا لیکن انہوں نے محمدؐ کے دین کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ یہاں ایک بار پھر حضرت ابو بکرؓ ان کنیزوں کی مدد کو آگے بڑھے اور عمر سے کہا کہ وہ ان کنیزوں کو ان کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ عمر نے دونوں کنیزوں کو حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور انہوں نے دونوں کو آزاد کر دیا۔

چوتھی عورت جو اسلام لائی وہ صحرا میں رہنے والی ایک خاتون تھی جس کا نام غزیہؓ تھا۔ غزیہ کنیز نہیں تھی۔ وہ مکہ آنے کے بعد مسلمان ہو گئی اور پھر کھلے عام لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگی۔ صحرا نشین عورتیں بھی بدوی مردوں کی طرح بہت بے باک اور نڈر ہوتی تھیں لہٰذا وہ خاتون بھی اہل قریش کے ڈرانے دھمکانے سے قطعاً خوفزدہ نہ ہوئی۔ قبیلہ قریش کے لوگوں نے جب دیکھا کہ حضرت غزیہؓ کسی طور بھی اسلام کی تبلیغ سے دستبردار نہیں ہوتیں تو انہیں اغواء کر کے مکہ سے باہر جانے والے ایک قافلے کے پاس لے گئے اور ایک اونٹ پر بٹھا کر مضبوطی سے رسیوں سے باندھ اور قافلہ والوں کے سپرد کرتے ہوئے بولے کہ اس عورت کو پانی اور غذا بالکل نہ دینا تاکہ یہ بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو جائے اور جب تمہیں یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہ مر چکی ہے تو اس کی لاش کو اونٹ سے اتار کر صحرا میں پھینک دینا تاکہ صحرائی جانوروں کا لقمہ بن جائے اور اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت غزیہؓ کہتی ہیں کہ تین دن بھوک اور پیاس نے مجھے بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ لیکن چوتھے دن مجھے اپنے ہونٹوں پر ٹھنڈے پانی کی نمی محسوس ہوئی اور میں نے بے اختیار ہو کر پانی پینا شروع کر دیا اور اتنا پیا کہ میری پیاس بجھ گئی۔ اگلے دن قافلے والوں نے جو یہ تصور کر رہے تھے کہ میں بھوک اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو چکی ہوں جب مجھے ہشاش بشاش دیکھا تو انہیں حیرت ہوئی اور جب میں نے انہیں گذشتہ رات کا واقعہ سنایا تو وہ اپنے کئے پر نادم ہوئے اور انہوں نے میری رسیاں کھول دیں اور مجھ سے بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے۔

ابو جہل کی ایک کنیز جس کا نام سمیہؓ تھا مسلمان ہو گئی تو ابو جہل نے انہیں بلایا اور حکم دیا کہ فوری طور پر نئے دین سے دستبردار ہو جاؤ۔ سمیہؓ نے جواب میں کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑ سکتی۔ ابو جہل نے طیش میں آ کر اپنی ناتواں کنیز پر تازیانے برسانے شروع کر دیئے اور انہیں اتنا مارا کہ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر گئیں۔ حضرت ابو بکرؓ اس واقعہ سے مطلع ہو گئے وہ ابو جہل کے گھر پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ سمیہؓ بے جان زمین پر پڑی ہوئی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ابو جہل سے کہا کہ میں اس کنیز کو خریدنا چاہتا ہوں ابو جہل بولا کہ میں اسے نہیں بیچنا چاہتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ اے ابو جہل اگر تو سمیہؓ کو فروخت کرنے پر رضامند ہو جائے تو میں تجھے ایک سو دینار ادا کرنے پر تیار ہوں۔ ابو جہل غرایا کہ میں اسے نہیں بیچوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے قیمت

بڑھا دی اور بولے کہ میں تمہیں سمیہؓ کے بدلے ڈیڑھ سو دینار دینے کو تیار ہوں۔ لیکن ابو جہل کی ضد برقرار رہی اور وہ بولا کہ میں سمیہؓ کو فروخت نہیں کروں گا۔ حضرت ابو بکرؓ قیمت بڑھاتے رہے لیکن ہر بار ابو جہل کا جواب وہی تھا کہ اپنی لونڈی کا سودا نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جو اپنی ساری دولت اسلام کی راہ پر خرچ کر چکے تھے جب یہ دیکھا کہ ابو جہل کسی طور بھی سمیہؓ کو فروخت کرنے پر راضی نہیں تو انہوں نے ایک نئی تجویز پیش کی اور ابو جہل سے کہا کہ اگر تو سمیہؓ کو میرے ہاتھوں فروخت کرنے پر راضی ہو جائے تو میں تجھے ''ابل قاضیہ'' دینے کو تیار ہوں۔ ''ابلِ قاضیہ'' بادیہ نشین عربوں کی مخصوص اصطلاح کا نام تھا۔ اس کا اطلاق دراصل ان اونٹوں پر ہوتا تھا جو کسی کے قتل کے بدلے میں اس کے لواحقین کو دیئے جاتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ''ابل قاضیہ'' اس خون بہا کا نام تھا جو مقتول کے ورثاء کو ادا کیا جاتا تھا اور اس عنوان سے منہ مانگی رقم طلب کی جاسکتی تھی۔ ابو جہل کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اتنی کدورت اور عداوت موجود تھی کہ وہ منہ مانگی قیمت پر بھی اپنی کنیز کو حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں فروخت کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس دن تک چھ بردوں کو خرید کر آزاد کر دیا تھا جن میں دو مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ لیکن اس بار وہ سمیہؓ کو رہائی دلانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب قریش کی عورتوں نے سنا کہ سمیہؓ ہر روز ابو جہل کے گھر میں تازیانے کھاتی ہے لیکن اسلام کو چھوڑنے پر تیار نہیں تو وہ ابو جہل کے پاس سفارش لے کر گئیں اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس عورت کو کوتازیانے مارنا بند کردے جس نے قریش کی بے شمار عورتوں کی مدد کی ہے۔ لیکن ابو جہل نے ان کی درخواست کو بھی ٹھکرا دیا۔ ابو جہل نے سمیہؓ پر اتنے کوڑے برسائے کہ ان کا سارا بدن خون ہو گیا اور ان میں ہلنے جلنے کی سکت نہ رہی لیکن وہ اس کے باوجود یہی کہتی رہیں کہ میں محمدؐ کے دین سے روگردانی نہیں کر سکتی۔ جب ابو جہل اپنی کنیز کے ایمان کو بدلنے میں ناکام ہو گیا تو اسے قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک دن حضرت سمیہؓ کو خانہ کعبہ کے سامنے لا کھڑا کر دیا اور جب اہل مکہ وہاں جمع ہو گئے تو ابو جہل نے اتمام حجت کے طور پر حضرت سمیہؓ سے پوچھا کہ آیا تو اب بھی محمدؐ کے دین کو چھوڑنے پر تیار نہیں؟ حضرت سمیہؓ نے جواب دیا ''میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گی''۔ ابو جہل نے جھلا کر کہا پھر میں تجھے یہیں اور اسی وقت موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ اس کے بعد ابو جہل نے اہل مکہ کی آنکھوں کے سامنے اپنا نیزہ اتنی قوت سے حضرت سمیہؓ کے سینے میں گھونپ دیا کہ نیزے کا سرا اس ناتواں عورت کی پیٹھ سے باہر نکل آیا۔ حضرت سمیہؓ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون تھیں۔ روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت سمیہؓ کی رہائی کے سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ کی جدوجہد سے آگاہ ہوئے تو انہوں نے ابو بکرؓ کے حق میں دعا کی کہ'' خدا تیرے چہرے کی درخشندگی کو برقرار رکھے''۔ سمیہؓ کے قتل کے بعد قریش کے سرکردہ لوگوں میں سے چار افراد نے جن میں ابو سفیان، ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل بھی شامل تھی، یہ پابندی لگادی کہ مکہ کا رہنے والا کوئی شخص آج کے بعد اپنا کوئی غلام یا کنیز ابو بکرؓ کے ہاتھوں فروخت نہیں کرے گا۔ وہ لوگ

یہ جان چکے تھے کہ اسلام کو غریب طبقہ اور خاص طور پر غلاموں میں تیزی سے مقبولیت حاصل ہو رہی ہے اور جو غلام بھی مسلمان ہو جاتا ہے ابو بکرؓ اسے خرید کر آزاد کر دیتے ہیں۔

کچھ صاحب حیثیت لوگ جن میں عثمان بن عفان جو عبدالمطلب کے بھتیجے تھے، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاصؓ حضرت آمنہؓ کے بھتیجے اور طلحہ بن عبیداللہ اور سعد بن عمروؓ شامل تھے جب مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو قبیلہ قریش میں وحشت اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ نو مسلمانوں کا شمار مکہ کے جانے پہچانے اور ممتاز لوگوں میں ہوتا تھا۔ لٰہذا قریش نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایذا پہنچانے اور پریشان کرنے کے نئے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ جانے کے لئے جب بھی اپنے گھر سے باہر نکلتے تو آپ کی جان خطرے میں ہوتی تھی۔ اوباش لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں کمین لگا کر بیٹھ جاتے اور جیسے ہی آپ ﷺ خانہ کعبہ جانے کے لئے اپنے گھر سے باہر قدم نکالتے یا کہیں اور جانے کا ارادہ کرتے تو وہ لوگ ان پر پتھر برساتے اور ان کے لباس کو گندگی سے آلودہ کر دیتے تھے۔ قبیلہ قریش کے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دشمنی میں اتنے آگے نکل گئے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کا احترام بھی پس پشت ڈال دیا۔ دونوں مرتبہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قاتلانہ حملہ ہوا وہ خانہ کعبہ میں ہوا اور پہلا مسلمان مرد جو اسلام کی راہ میں شہید ہوا وہ بھی خانہ کعبہ ہی میں قتل کیا گیا۔

ایک دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ سے اپنے گھر کی طرف لوٹ رہے تھے تو قریش کے افراد نے اس شدت سے ان کے اوپر پتھراؤ کیا کہ جب وہ گھر پہنچے تو نڈھال ہو کر گر پڑے اور شدید زخمی ہو جانے کے باعث اگلے دن خانہ کعبہ نہ جا سکے۔ اس روز جب دوسرے مسلمان عبادت کی غرض سے خانہ کعبہ پہنچے تو انہیں پتہ چلا کہ آج حضورؐ خانہ کعبہ نہیں آ سکتے لٰہذا انہوں نے اپنے طور سے عبادت شروع کر دی اور جب وہ لوگ سجدے میں گئے تو ان پر اچانک حملہ کر دیا گیا۔ اس حملے کے نتیجے میں کئی مسلمان شدید زخمی ہو گئے اور حضرت حارثؓ جو حضرت خدیجہ کے فرزند اور حضورؐ کے سوتیلے بیٹے تھے بیت اللہ میں شہید کر دیئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد قبیلہ قریش کے افراد شب و روز خانہ کعبہ کی نگرانی کرنے لگے تاکہ حضورؐ اور ان کے پیروکاروں کو خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے روک سکیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ دیکھا کہ اب وہ اپنے اصحاب کے ساتھ خانہ کعبہ میں عبادت نہیں کر سکتے تو انہوں نے مکہ سے باہر ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جو اطراف کی زمینوں سے گہرائی میں تھی۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دن میں دو بار نماز قائم کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں جانے لگے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کرنے والوں میں سے ایک شخص ایسا تھا جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انتہا درجے کی دشمنی رکھتا تھا۔ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رضائی بھائی ابو سفیان تھا۔ ابو سفیان کا کہنا تھا کہ قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو خطرہ لاحق ہے وہ صرف اسی صورت میں ٹل سکتا ہے کہ انہیں جان سے مار دیا جائے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جلیل القدر صحابی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانثار ساتھی تھے۔ ان کا تعلق قبیلہ غفار سے تھا۔ یہ قبیلہ مکہ کے شمال میں سکونت پذیر تھا۔ بادیہ نشین عربوں کی رسم کے مطابق سال میں چار مہینے کے لئے غارتگری اور ڈکیتی حرام ہوتی تھی اور ان مہینوں کو ماہ حرام کہتے تھے۔ اسی طرح مکہ کی زیارت پر جانے والے افراد پر حملہ کرنے کی ممانعت بھی تھی لیکن قبیلہ غفار کے لوگ مذکورہ رسومات اور قوانین کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ وہ ماہ حرام میں قافلوں پر لوٹ مار کے غرض سے حملہ کرتے اور مکہ کی زیارت پر جانے والوں کو بھی معاف نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ذیقعد کے مہینے میں قبیلہ والوں نے اپنی حدود سے گزرنے والے ایک قافلے پر حملہ کرکے قافلہ کا مال اسباب لوٹ لیا اور قافلے میں شامل مرد، عورتوں اور بچوں کو قتل کردیا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انہیں شدید ندامت اور پریشانی کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنا قبیلہ چھوڑ دیا۔ کئی ماہ صحرا نوردی کرنے کے بعد مکہ پہنچ گئے۔ یہاں ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سنا اور یہ جانا کہ وہ لوگوں کو یکتا خدا کی طرف بلاتے ہیں اور انہیں برے کاموں سے پرہیز کرنے اور شرک کو ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے کا فیصلہ کرلیا اور ایک راہگیر سے پوچھا کہ حضور ﷺ کا گھر کہاں ہے۔ اس شخص نے تعجب خیز نگاہوں سے ابوذرؓ کی طرف دیکھا اور پھر اونچی آواز سے چلانے لگا۔ "اے لوگو! ادھر آؤ اسے پکڑو اور مار ڈالو کیونکہ یہ ایک مسلمان ہے جو آج ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے"۔ پلک جھپکتے ہی لوگوں نے ابوذرؓ پر حملہ کردیا اور وہ بوکھلا کر اپنی جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن قریش نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان پر پتھروں کی بارش کردی۔ اتنے پتھر برسائے کہ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر گئے اور مکہ والوں نے مردہ سمجھ کر انہیں وہیں چھوڑ دیا۔ کسی مسلمان کے سنگسار کئے جانے کی اطلاع حضرت ابو بکرؓ کو مل گئی تھی لہٰذا وہ رات کی تاریکی میں آئے اور ایک دوسرے مسلمان کی مدد سے ابوذرؓ کو اُٹھا کرلے گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ ابوذرؓ مسلمان نہیں بلکہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ دوسرے دن ابوذرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی۔ بعد میں حضرت ابوذرؓ کا شمار اسلام کے نامور مسلمانوں میں ہونے لگا اور انہوں نے اپنے قبیلے کو مسلمان کرلیا۔ ان کا قبیلہ جو صرف لوٹ مار کے ذریعے زندگی گزارتا تھا اپنے نفرت انگیز اعمال سے ہمیشہ کے لئے دستبردار ہوگیا۔ اس واقعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مکہ کے باشندے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی میں اتنے بڑھ گئے تھے کہ اگر کوئی ان کے گھر کا پتہ پوچھتا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ پتہ پوچھنے والا یا تو کوئی مسلمان ہے یا پھر مسلمان ہونا چاہتا ہے لہٰذا اس پر سنگباری شروع کردیتے تھے۔

پاک باطن لوگ

ایک دن جب کچھ لوگ ابو جہل کے اکسانے پر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف پتھر پھینک رہے تھے تو اس منظر کو دیکھنے والا ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ''حمزہ'' کے پاس پہنچا جو اپنے وقت کے مشہور پہلوان سمجھے جاتے تھے۔ حمزہؓ شکار سے واپس آ رہے تھے۔ اس شخص نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اے حمزہ! تیری غیرت اور حمیت یہ کیونکر گوارہ کرتی ہے کہ لوگ تیرے بھتیجے کو سنگسار کریں بُرا بھلا کہیں اور تو جو دلیروں اور بہادروں میں شمار ہوتا ہے اس کی کوئی مدد نہ کرے؟'' حضرت حمزہؓ کو اس دن تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پتھروں سے مارتے ہیں انہیں زدوکوب کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشنام بھی دیتے ہیں تو ان کی حالت دگرگوں ہوگئی اور انہوں نے اس شخص سے پوچھا کہ میرے بھتیجے کو جو دشنام دیئے جاتے ہیں وہ کیا ہیں؟ اس شخص نے جب چند ایسے الفاظ کو دہرایا جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ان کے لئے استعمال کرتے تھے تو حضرت حمزہؓ کا چہرہ غصے کی شدت سے سرخ ہو گیا۔

عرب زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو انتہائی اہمیت اور وقعت دیتے تھے۔ عرب قبائل میں دشنام گوئی کرتے وقت کسی قریبی رشتہ دار کا نام لینا ایک ناقابل معافی جرم سمجھا جاتا تھا۔ کسی قبیلے کے کسی بھی فرد کو برا بھلا کہنا ایسا تھا جیسے پورے قبیلے کو توہین کا نشانہ بنایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی قبیلے کے تمام ارکان آپس میں خون کے رشتے میں منسلک ہوتے تھے۔ حضرت حمزہؓ اسی حالت میں ابو جہل کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پتھر پھینکنے والوں کا سرغنہ ابو جہل ہی ہے۔ وہاں پہنچ کر ابو جہل کی بری طرح پٹائی کر دی اور کہا ''اے ابو جہل! تو سمجھتا ہے کہ محمد ﷺ بے آسرا ہے اور اس کا کوئی نہیں اور اسی لئے تو اس پر پتھر برساتا ہے اور اسے دشنام دیتا ہے؟ لیکن اب جان لے کہ میں آج سے محمد ﷺ کے دین میں داخل ہو گیا ہوں اور آج کے بعد جو کوئی بھی محمد ﷺ کو دشنام دے گا تو اس کا واسطہ مجھ سے ہو گا''۔

حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہو جانا اسلام کے لئے بڑا خوش آئند تھا کیونکہ حضرت حمزہؓ کا شمار مکہ کے نامور دلیروں میں ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہو جانے کے بعد کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور یوں مسلمانوں کی تعداد تیس

سے زیادہ ہوگئی۔ مکہ کے رہنے والے اور خاص طور پر قبیلہ قریش کے افراد اسلام کو پھیلتا دیکھ کر مزید تشویش میں مبتلا ہوگئے اور انہوں نے ''دارالندوۃ'' میں جمع ہو کر مشورہ کرنا شروع کر دیا کہ محمدؐ کے دین کو کس طرح نابود کیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اپنے مذاکرات سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں کر سکے۔ جب دارالندوۃ کا اجلاس ختم ہوا تو عمر بن خطاب نے یہ اعلان کر دیا کہ میں خود ہی محمد ﷺ کو قتل کر کے اہل مکہ کو اس مشکل سے نجات دلادوں گا۔ راستے میں نعیم بن عبداللہؓ نے عمر کو تیز تیز قدموں سے جاتے دیکھا تو پوچھا، اے عمر! کہاں جارہے ہو؟ عمر نے کہا، ''کسی نے ہمارے اجداد کی اتنی توہین نہیں کی جتنی محمدؐ کرتا ہے۔ اس شخص نے اپنے نئے دین کی وجہ سے تمام اہل مکہ کا چین و آرام ختم کر دیا ہے۔ ہمارے بزرگوں کے دین کو باطل قرار دیتا ہے، کہتا ہے کہ ہمیں اپنے خداؤں کی پرستش چھوڑ دینی چاہئے۔ میں جارہا ہوں کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دوں''۔ نعیمؓ نے کہا۔ یا عمر! تمہارے دو قریبی عزیز بھی مسلمان ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری بہن فاطمہ اور دوسرا اس کا شوہر سعید بن زید ہے۔ جب عمر گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی بہن فاطمہؓ ان کے شوہر سعید بن زیدؓ اور ایک دوسرے مسلمان حضرت خبابؓ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ عمر غصہ میں لال بھبوک ہوگئے اور اپنی بہن اور ان کے خاوند پر اتنے کوڑے برسائے کہ جسم میں جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔

عمر نے اپنی بہن کو حکم دیا کہ اگر تم مجھ پر اتنے کوڑے برساؤ کہ میری جان نکل جائے تو بھی میں محمدؐ کے دین کو نہیں چھوڑوں گی اور اگر تم بھی قرآن کی تلاوت کرو تو جان جاؤ گے کہ یہ دین سچا اور برحق ہے۔ عمرؓ نے اپنی بہن کے خاوند کو کہا کہ وہ قرآن کو سنائیں۔ سورۃ طٰہٰ کی چند آیات تلاوت کی گئیں۔

ترجمہ:

طٰہٰ۔

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے۔

مگر نصیحت کے واسطے جس کو ڈر ہے۔

اتارا ہے اس کا جس نے بنائی زمین اور آسمان اونچے۔

وہ بڑی مہر والا تخت کے اوپر قائم ہوا۔

اس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور ان کے بیچ اور نیچے سیلی زمین کے۔

اور اگر تو بات کہے پکار کر تو اس کو خبر ہے چھپے کی اور اس سے چھپے کی۔

اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی، اس کے ہیں سب نام خاصے۔

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی۔

جب اس نے دیکھی ایک آگ، تو کہا اپنے گھر والوں کو، ٹھہرو! میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تم پاس اس میں سے سلگا کر، یا پاؤں اس آگ پر راہ کا پتا۔

پھر جب پہنچا آگ پاس، آواز آئی اے موسیٰ!

میں ہوں تیرا رب سو اتار اپنی پاپوشیں تو ہے پاک میدانِ طویٰ میں۔

اور جس نے تجھے پسند کیا سو تو سنتا رہ جو حکم ہو۔

میں جو ہوں، میں اللہ ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کر، اور نماز قائم رکھ میری یاد کو۔

(آیت ۱۔۱۴)

حضرت عمرؓ قرآن سن کر غور و فکر میں ڈوب گئے۔ پھر گویا ہوئے مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت خبابؓ جو اس مار پیٹ کے دوران چھپ گئے تھے، سامنے آ گئے اور کہنے لگے، اے عمر! خوش ہو جاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی ہے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی:

"اے قادر مطلق! میرا کام کوشش کرنا اور کامیابی دینا تیرا کام ہے۔ اسلام کے دو بدترین دشمنوں عمر بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو نور ایمان عطا فرما کہ کمزور مسلمانوں کو ہمت حاصل ہو"۔

دار ارقم (۱) کے دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک صحابیؓ نے جھانک کر دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ تلوار حمائل کئے نظر آئے۔

(۱) دار ارقم کوہِ صفاء پر واقع ارقم بن ابی الارقم مخزومی کا مکان تھا۔ جسے نبوت کے پانچویں سال میں سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے اجتماع اور تبلیغ کی سرگرمیوں کے مرکز کے طور پر استعمال کیا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی گئی۔ سیدنا امیر حمزہؓ نے جو تین دن قبل ایمان لائے تھے کہا "دروازہ کھول دو اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی بُرا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔"

حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کی خوشی میں صحابہ کرام نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ مسجد الحرام میں موجود لوگوں نے بھی یہ صدائے حق سن لی۔

حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو دو صفوں میں ترتیب دیا ایک میں حضرت حمزہؓ اور ایک میں حضرت عمرؓ تھے۔ سب سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر سایہ مسجد الحرام کی جانب روانہ ہوئے۔ عمر و حمزہ کے جلو میں پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھیوں کو جرأت مندی سے آتا دیکھ کر قریش مکہ میں کہرام مچ گیا۔ اس موقع پر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمرؓ کو ''فاروق'' کے لقب سے نوازا۔

حضرت عمرؓ اس کے بعد دشمن اسلام ابوجہل کے مکان پر پہنچ گئے۔ ابوجہل باہر آیا اور خوشخبری سننے کے اشتیاق میں کہنے لگا۔

''خوش آمدید، خوش آمدید کیسے آنا ہوا؟'' حضرت عمرؓ نے کہا، میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکا ہوں، اور محمد الرسول ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ ابوجہل کی امیدوں پر پانی پھر گیا اور دروازہ بند کرتے ہوئے بولا، اللہ تیرا بُرا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی بُرا کرے۔

حضرت عمرؓ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کی خبر جمیل بن معمر حجمی کو دی جو کسی بات کا ڈھنڈورہ پیٹنے میں ممتاز تھا تو اس نے چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ بولے یہ جھوٹ بولتا ہے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ لوگ اگرچہ حضرت عمرؓ کی عزت و قوت، شرف اور زور بازو سے خائف رہتے تھے۔ لیکن اس وقت بہت بڑی تعداد نے مل کر انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ بھی لوگوں کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آگیا اور حضرت عمرؓ تھک کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکہ میں تم رہتے یا ہم رہتے۔

حضرت عمرؓ کے خلاف انفرادی سطح پر کوئی اقدام اٹھانے سے مشرکین گھبراتے تھے۔ وہ جم غفیر کی صورت میں اکٹھے ہوئے اور حضرت عمرؓ کے گھر پر ہلہ بول دیا تاکہ انہیں جان سے مار ڈالیں۔ اس دوران قبیلہ سہم جو حضرت عمرؓ کا حلیف قبیلہ تھا، سے تعلق رکھنے والے ابوعمرو عاص بن وائل سہمی آگئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قبول اسلام اور قوم کے دشمن بن جانے کا تذکرہ کیا۔ ابوعمرو بن عاص یہ سن کر باہر نکلے اور لوگوں کی بھیڑ سے پوچھا کیا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ ابوعمرو نے کہا کہ تم لوگ اس تک نہیں پہنچ سکتے وہ میری پناہ میں ہے۔ لوگ یہ سن کر مایوس ہوئے اور واپس چلے گئے۔

نجاشی بادشاہ کا دربار

اسلام کے ابتدائی دور میں دو ہستیاں ایسی ہیں جنہوں نے مالی لحاظ سے بہت قربانیاں دیں ان میں سے ایک حضرت خدیجہؓ اور دوسرے حضرت ابو بکرؓ تھے۔اسلام سے پہلے یہ دونوں افراد مکہ کے تونگروں میں شمار ہوتے تھے۔لیکن جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو بالکل تہی دست تھے کیونکہ انہوں نے اپنی ساری دولت اسلام کی راہ میں قربان کر دی تھی۔جب حضرت عمرؓ بن خطاب مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنے اہل خاندان کو دعوت دی ان کے قبیلہ ''بنی عدی'' کے متعدد افراد بھی مسلمان ہو گئے۔قریش نے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتے دیکھا تو انہیں بہت تشویش ہوئی۔وہ جانتے تھے کہ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کرتے ہیں۔لہٰذا وہ انہیں گذشتہ کی طرح گزند بھی نہیں پہنچا سکتے تھے۔اسی بات کے پیش نظر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ (Social Boycott) کر کے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جائے۔ کفار نے یہ پابندی لگا دی کہ مسلمانوں سے نہ تو کوئی چیز خریدی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی چیز بیچی جائے اور کوئی انہیں لڑکی دے نہ ہی ان سے لڑکی لے۔مکہ کی سرزمین میں جہاں لوگوں کا ذریعہ معاش تجارت اور سوداگری تھا، یہ پابندی مسلمانوں کی زندگی کو مفلوج کرنے لگی۔کچھ لوگ جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے وہ گوناگوں مصائب اور مشکلات کا مقابلہ نہ کر سکے۔اسی بناء پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ وہ خود مکہ میں ٹھہرے رہیں لیکن مسلمانوں کو ایک دوسرے ملک حبشہ کی طرف روانہ کر دیں۔حبشہ کا حکمران کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کو ایذاء نہیں پہنچاتا تھا وہاں مذہب کی مکمل آزادی تھی۔جن لوگوں نے پہلی مرتبہ مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ جعفر بن ابی طالبؓ اور ان کی بیوی اسماءؓ۔ابو طالب کے دو بیٹے تھے ایک حضرت علیؓ جن کی پرورش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نگرانی میں کی اور دوسرے حضرت جعفرؓ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباسؓ نے اپنی فرزندی میں لے لیا تھا۔

۲۔ عثمانؓ بن عفان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد اور حضرت رقیہؓ کے شوہر تھے۔حضرت رقیہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی تھیں۔جب ابولہب کے بیٹے نے انہیں طلاق دی تو وہ حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آ گئیں۔

۳۔زبیر بن العوام، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو حذیفہ سہلہ دختر سہیل بن عمر، عامر بن ربیعہ اور ان کی زوجہ لیلیٰ بنت ابوخیثہ، حاطب بن عمر، سہیل بن بیضا، معصب بن عمر، ابو مسلمہ اور ان کی بیوی اُم سلمہ بنت امیہ، عثمان بن مظعون۔

یہ لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں مکہ سے نکل کر سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی پر سوار ہو کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ مسلمانون کا پہلا دستہ تھا جو حبشہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مسلمان حبشہ کے دارالخلافہ پہنچے تو حضرت جعفرؓ کی زوجہ حضرت اسماء نے اپنی آمد کے پہلے ہی دن ایک لڑکے کو جنم دیا۔ اُسی دن حبشہ کے حکمران نجاشی کے یہاں بھی لڑکے کی ولادت ہوئی۔ اسماءؓ نے رضاکارانہ طور پر بادشاہ کے بیٹے کو دودھ پلانے کی تجویز پیش کی جو منظور ہو گئی۔ اس طرح عربوں کے رواج کے مطابق حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کا بیٹا اور حبشہ کے بادشاہ کا فرزند آپس میں رضاعی بھائی بن گئے۔

ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی پہلی جماعت کے بعد دوسرے مسلمان گروہ بھی مکہ سے حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مجموعی طور پر ایک سو نو (109) مسلمان حبشہ میں جمع ہو گئے۔ یہ سب لوگ کشتی کے ذریعے حبشہ پہنچے تھے۔ آخرالامر قریش کو یہ علم ہو گیا کہ کچھ مسلمان حبشہ کی طرف نکل گئے ہیں لہٰذا انہوں نے عمرو بن العاص اور عمارہ بن ولید نامی دو افراد کو یہ مہم سونپی کہ وہ حبشہ جائیں اور وہاں کے بادشاہ سے کہیں کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کردے تاکہ انہیں واپس مکہ لایا جاسکے۔

کفار کے ایلچیوں نے بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر کہا، "اے حبشہ کے بادشاہ! جن لوگوں کو تونے پناہ دے رکھی ہے انہوں نے اپنے آباؤاجداد کے دین کو ترک کر دیا ہے۔ وہ ہمارے اجداد پر تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا دین جھوٹا تھا اور ہمارے بزرگ باطل کی پیروی کرتے تھے۔ اے شاہ حبشہ! جو لوگ آج تیری پناہ میں ہیں وہ کل تیری رعیت کے دین کو بھی بدل دیں گے لہٰذا تیری بہتری اس ہی میں ہے کہ انہیں ہمارے سپرد کردے تاکہ ہم انہیں مکہ واپس لے جائیں"۔ حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا یہ دو افراد مکہ سے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ خطاکار ہو لہٰذا تم سب کو مکہ واپس بھیج دینا چاہیے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ تمہارے اہل خاندان تمہاری واپسی کے منتظر ہیں۔ تم لوگ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہو۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے کہا، "اے بادشاہ! ہم لوگ بت پرست تھے کوئی بُرا کام کرنے سے ہم شرمسار نہیں ہوتے تھے۔ کمزوروں اور تنگ دستوں پر ظلم روا رکھنا ہماری عادت بن چکا تھا۔ ہم اندھیروں میں بھٹک رہے تھے کہ ہمارے درمیان ایک پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ پیدا ہوا اور اس نے ہمیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کا رستہ دکھایا اور ہمیں یہ درس دیا کہ ہم پتھر سے بنی ہوئی مورتوں کی پوجا نہ کریں۔ بُرے کاموں سے توبہ کرلیں اور مسکینوں پر ظلم و ستم روا نہ رکھیں۔ ہم لوگ اس پر ایمان لے آئے۔ اے بادشاہ! یہ لوگ پتھر اور لکڑی کی بنی ہوئی مورتوں کو خدا کہتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں، معاشرے کے

ناتواں لوگوں پر ستم ڈھاتے ہیں۔ یہ لوگ ہمارے پیغمبرؐ کو ایذاء پہنچانے، پتھر مارنے اور دشنام دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے''۔

صورتحال واضح ہونے کے بعد حبشہ کے بادشاہ نے حکم دیا کہ عمرو بن العاص بن ولید کے لائے ہوئے تحائف واپس کر دیئے جائیں اور قریش کے نمائندے نامراد واپس لوٹ گئے۔ نجاشی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے بارے میں مزید دریافت کیا۔ حضرت جعفرؓ نے حبشہ کے بادشاہ اور اس کے دربار میں حاضر دوسرے لوگوں کے سامنے سورۃ مریم کی آیات تلاوت کیں۔

نجاشی یہ کلام سن کر بے اختیار رو پڑا اور اس کے دربار میں موجود دوسرے لوگ بھی رونے لگے۔ نجاشی نے کہا کہ تمہارا پیغمبرؐ ایک عظیم اور سچا انسان ہے۔ تم لوگ جب تک چاہو میرے ملک میں آزادی سے رہو کوئی تمہیں اس ملک سے نہیں نکالے گا۔

ابو طالب کی گھاٹی

ابو طالب قریش کی ریشہ دوانیوں سے باخبر تھے۔ قریش انہیں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت وپشت پناہی سے دست بردار ہونے پر مجبور کررہے تھے۔ ابو طالب نے اپنے جد اعلیٰ عبد المناف کے دو صاحبزادوں ہاشم اور مطلب کے خاندانوں کو جمع کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ اپنے بھتیجے محمدؐ کی حمایت وحفاظت کا جو کام اب تک وہ تنہا انجام دیتے رہے ہیں سب مل کر اس کام کو انجام دیں۔

عربی حمیت کا تقاضا تھا کہ اہل خاندان اس بات پر راضی ہوجائیں سب افراد خاندان اس تجویز سے متفق ہوئے اور انہوں نے ابو طالب کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن ابو طالب کے بھائی ابو لہب نے مشرکین قریش کا ساتھ دیا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام اور قبیلہ بنی ہاشم و بنی مطلب کا محمدؐ کی حمایت کے لیے عہد وپیمان کفار کو پسند نہیں آیا۔ حبشہ کے بادشاہ نے بھی درخواست مسترد کردی تھی۔ مشرکین جمع ہوئے اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف عہد وپیمان کیا کہ ان سے ہر قسم کا تعلق ختم کرلیا جائے نہ ان سے خرید وفروخت کی جائے نہ ان سے شادی بیاہ کریں۔ تاوقتیکہ محمدؐ کو قتل کرنے کے لیے ہمارے حوالے نہ کردیں۔

اس معاہدہ پر تمام سرداران قریش نے دستخط کئے اور خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کردیا۔

محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا گیا۔ اس موقع پر بنو ہاشم نے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت ترک نہ کی اور وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ مکہ سے باہر نکل آئے۔ ان میں پیغمبر اسلام سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ عزیز بھی شامل تھے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابو طالب کی غیرت اور حمیت نے گوارہ نہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو بے یار ومددگار چھوڑ دیں۔

(۱) سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل خاندان کے ہمراہ جس گھاٹی میں پناہ گزین تھے وہ ابی طالب کی ملکیت تھی۔ جو گھاٹی درماندہ لوگوں کی پناہ گاہ تھی اس میں ابی طالب اور خاندان کے دیگر افراد قیام کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

(۱)قریش کے دس قبیلوں میں سے ہر قبیلہ مکہ کے گردونواح میں پھیلی ہوئی پہاڑیوں میں قدرتی طور پر بن جانے والے دروں اور گھاٹیوں میں سے کسی ایک کھائی یا درہ کا مالک تھا۔ان گھاٹیوں کو شعب کہتے ہیں جب کوئی اجنبی شخص قریش کے کسی قبیلے سے پناہ مانگتا تو قبیلہ اس کے ٹھہرنے کا بندوبست اپنی مخصوص شعب یا گھاٹی میں کرتا تھا۔

قریش نے مسلمانوں کو اشیائے ضرورت کی فروخت پر پابندی لگا دی تھی۔اس پر ستم یہ کہ شعب ابی طالب کسی قافلہ کی گزرگاہ بھی نہیں تھی۔ جس سے کھانے پینے کی چیزیں مہیا ہو سکتی۔ مسلمانوں نے شعب ابی طالب میں انتہائی دردناک مصیبتوں اور بھیانک پریشانیوں میں وقت گزارا۔انہی دنوں جب مسلمان شعب ابی طالب میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے ایک دن حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا اپنی پھوپھی کے لیے کچھ اشیائے ضرورت لے کر باہر نکلا۔قریش کے افراد نے جو نگرانی کر رہے تھے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے کو مکہ سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا انہوں نے سامان ضبط کر کے اسے اتنا زدوکوب کیا کہ وہ تین دن تک بستر سے نہیں اُٹھ سکا۔ان دنوں میں مکہ کے کچھ بزرگوں نے مصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ وہ اجازت دیں کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھی واپس چلے آئیں۔لیکن قریش کے بزرگوں نے جواب دیا کہ اگر محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں تو مکہ واپس آ سکتے ہیں۔لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرنا چاہتے تو پھر وہیں پر اپنی موت کا انتظار کریں ہم انہیں مکہ میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں نے تین سال تک تنگی ترشی اور سختی کو برداشت کیا۔شعب ابی طالب میں مسلمانوں کے پاس گھریلو سامان نہیں تھا اور مکہ کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہؓ کے پاس صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا پیالہ رہ گیا تھا اور ایک دن وہ پیالہ بھی ٹوٹ گیا۔شعب ابی طالب میں مسلسل رنج والم اور دائمی بھوک کے علاوہ ایک اور حادثہ بھی رونما ہوا وہ یہ تھا کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ حضرت خدیجہؓ عسرت اور تنگدستی کے باعث بیمار ہو گئیں اور چونکہ علاج معالجہ کے لئے ضروری دوا اور مناسب غذا موجود نہ تھی لہٰذا سیدنا علیہ الصلوۃ والسلام کی زوجہ سن ۶۱۹ عیسوی میں انتقال فرما گئیں(۱)۔

(۱)مسلمانوں نے اس سال کو عام الحزن کا نام دیا ہے۔

جب حضرت خدیجہؓ نے زندگی کو خیر باد کہا تو ان کی عمر ۶۵ برس تھی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے پچاس سال گزر چکے تھے۔جب حضرت خدیجہؓ نے شعب ابی طالب میں زندگی کو الوداع کہا تو ان کے لئے کفن بھی نہ تھا۔لہٰذا حضرت خدیجہؓ کو ’’صوقعہ‘‘(۱) میں لپیٹ کر سپرد خاک کر دیا گیا۔

(۱)صوقعہ دراصل ایک ایسی لمبی چادر کو کہتے تھے جسے عرب خواتین اپنے سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے دو دن بعد مسلمانوں کو دوسرا صدمہ پہنچا اور پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا ''ابی طالب '' نے چھیاسی سال کی عمر میں دار فانی کو چھوڑ دیا۔ انہی دنوں کعبہ میں لٹکے ہوئے بائیکاٹ کے فرمان کو دیمک نے چاٹ لیا قریش نے جب یہ دیکھا کہ دیمک نے حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مسلمانوں کو شہر بدر کرنے کے فرمان کو چاٹ لیا ہے اور صرف ''خدا'' کا نام باقی رہنے دیا ہے تو ان پر انجانا خوف طاری ہو گیا۔ قبائل قریش ہی میں سے چند حلیم الطبع افراد نے آواز بلند کی کہ اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کر کے بنو ہاشم کو محاصرہ سے باہر لایا جائے۔ سوائے ابو جہل کے کسی نے اس کی مخالفت نہ کی۔ جب مسلمان شعب ابی طالب سے واپس لوٹے تو مسلسل فاقہ کشی، بھوک اور پیاس کے باعث بے حد کمزور ہو چکے تھے۔ ان کے چہرے ہڈیوں کے ڈھانچے بن چکے تھے اور ان کے بدن کی کھال سورج کی تمازت سے بُری طرح جھلس گئی تھی۔

ایک دن ابی لہب نے بنو ہاشم کے تمام افراد کو ایک ضیافت میں شرکت کی دعوت دی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مدعو کیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ابی لہب نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ''میں چاہتا ہوں کہ بنو ہاشم کے تمام افراد کے سامنے تجھ سے تیرے جد عبد المطلب کے بارے میں سوال کروں اور پوچھوں کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ مشرکین جہنم میں جائیں گے تو تمہارے خیال میں عبد المطلب جنت میں ہیں یا جہنم میں؟۔''

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔

ترجمہ:

پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے خدا سے مشرکوں کے لئے مغفرت طلب نہ کریں چاہے وہ لوگ ان کے اقرباء میں سے ہوں۔

(توبہ ۱۱۴)

اس کے بعد ابی لہب نے ابی طالب کے بارے میں پوچھا اور کہا آیا میرا بھائی ابی طالب بخش دیا گیا ہے یا نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ ابی طالب جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو مسلمان نہیں ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے اجداد کے دین کو نہیں چھوڑا تھا لہذا ان کا معاملہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

پھر ابی لہب نے کچھ اور بڑوں کا نام لیا جو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجداد میں سے تھے۔ ابی لہب نے پوچھا۔ یہ لوگ بخش دیئے جائیں گے یا نہیں۔ جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم قطعی ہے۔ اور اس میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

قبیلے کے سربراہ ابی لہب نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ آیا مجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ محمدؐ کو قبیلہ بنی ہاشم سے باہر نکال دوں؟

سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ قبیلہ کے سردار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ محمدؐ کو قبیلہ بدر کر دے۔ ابی لہب نے اسی وقت اعلان کر دیا کہ میں نے محمدؐ کو اپنے قبیلے سے نکال دیا ہے اور آج کے بعد ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جزیرۃ العرب میں جب کسی کو قبیلے سے نکال دیا جاتا تو اس کی حیثیت اتنی ناچیز ہو جاتی تھی کہ اسے قبائلی جرگہ میں انصاف کی درخواست کرنے کا حق بھی نہیں رہتا تھا۔ جزیرۃ العرب میں قبیلہ سے خارج ہونے والا شخص تمام سماجی اور معاشی حقوق سے محروم ہو جاتا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اس سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا جاتا تھا۔

دل نے جو دیکھا جھوٹ نہیں دیکھا

پیغمبر اسلام سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے ایسے وقت میں اپنے حضور طلب فرمایا۔ جب روئے زمین پر ان کے لئے عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ چہیتی، جان نثار بیوی اور مشفق چچا بھی دنیا میں نہیں تھے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

قسم ہے تارے کی جب گرے۔

بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا۔

اور نہیں بولتا اپنے چاؤ سے۔

یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے۔

اس کو سکھایا زبردست قوتوں والے نے۔

زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا۔

اوور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے پھر نزدیک ہوا اور خوب اتر آیا۔

پھر رہ گیا فرق دو کمان کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک۔

پھر باتیں کیں اللہ نے اپنے بندے سے جو باتیں کیں۔

جھوٹ نہ دیکھا دل نے، جو دیکھا۔

اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو، اس پر جو اس نے دیکھا۔

اور اس کو اس نے دیکھا ہے ایک دوسرے اتارے میں۔

(نجم۔ ۱ تا ۱۲)

اگلی صبح سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب گذشتہ رات کے واقعات قریش مکہ کو سنائے تو دل کے اندھے لوگوں نے آپؐ کا تمسخر اڑایا اور آپؐ کے گرد جمع ہو کر طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ رؤسائے قریش نے بیت المقدس کی بناوٹ اور طرز تعمیر سے متعلق سوالات کئے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس گذشتہ رات سے قبل کبھی نہ دیکھا تھا۔ اللہ نے آپؐ کو سرخرو فرمایا اور منکرین کے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ایک مشرک نے پوچھا کیا ایک رات میں کوئی شخص مکہ سے بیت المقدس آنے جانے کا سفر طے کر سکتا ہے؟ حضرت ابو بکرؓ جو اس وقت تک واقعۂ معراج سے باخبر نہ تھے، انکار میں جواب دیا۔ اس پر مشرکین نے کہا کہ تمہارا پیغمبر تو یہی کہتا ہے کہ اس نے راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک اور پھر وہاں سے آسمانوں تک کا سفر کیا ہے۔ سیدنا ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے حضرت محمدؐ رسول اللہ کی حق گو زبان سے اگرچہ یہ بات ابھی تک نہیں سنی لیکن جیسا کہ تم کہہ رہے ہو کہ یہ ان کا بیان ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں۔

حق بات کہنے پر پتھر مارے گئے

واقعۂ معراج کے بعد سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کے لئے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا انتخاب کیا۔ آپؐ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں آپؐ کے دادا عبدالمطلب کا چچازاد بھائی ''عبد یالیل'' سکونت پذیر تھا۔ جب اس کو پتہ چلا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کے سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں حق و صداقت کا پیغام دیا۔ لیکن انہوں نے حق و صداقت کا پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپؐ کے پیچھے وہاں کے اوباش لڑکوں کو لگا دیا۔ جو آپؐ پر آوازیں کستے، تالیاں پیٹتے اور گالیاں دیتے تھے۔ انہوں نے اتنے پتھر مارے کہ آپؐ کی نعلین مبارک خون میں بھر گئیں۔ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر آپؐ اجازت دیں تو بستی والوں پر پہاڑ الٹ دیئے جائیں۔

رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا:

''میں مخلوق کے لئے زحمت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے بندے پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے۔''

زخموں سے چور آپؐ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ اس باغ کے مالک دو بھائی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ تھے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لہولہان دیکھ کر انہوں نے اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں انگور کا خوشہ بھیجا۔ آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر انگور لے لیا۔ مسیحی غلام نینوا کا باشندہ تھا۔ اس نے آپؐ سے ان کلمات کی بابت دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم میرے بھائی یونس بن متٰی کے شہر کے رہنے والے ہو۔ وہ بھی میری طرح خدا کے پیغمبر تھے۔ یہ سن کر ابن ربیعہ کا غلام ''عداس'' آپؐ کے قدموں میں جھک گیا۔ عداس نے کہا، ''اگرچہ میرے آقا عتبہ نے مجھے یہ کہا ہے کہ آپؐ کو انگور پیش کروں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپؐ کو اس باغ میں پناہ نہیں دے گا۔ میں اتنا ضرور کر سکتا ہوں کہ لوگوں کی نظروں سے بچا کر آپؐ کو طائف سے باہر لے جاؤں۔

مسیحی خدمت گار عداس نے اپنے وعدے پر عمل کیا اور جیسے ہی رات گہری ہوئی پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو طائف کے شہر سے باہر لے آیا اور بولا، ''خدا کے برگزیدہ بندے! اس شہر سے دور نکل جایئے کہ یہاں کے لوگ آپ کی جان کے دشمن ہیں''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحرا میں پیدل چلتے ہوئی ایک ایسی جگہ پہنچے جسے ''بطن نخلہ'' کہتے تھے۔ رات کا سماں تھا اور ساری کائنات خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی سوز و گداز کے ساتھ قرآن کی تلاوت شروع کر دی۔ جنات نے جب سوز و گداز سے بھرپور نورانی آواز میں قرآن سنا تو ان کی ایک جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام قبول کیا۔ قرآن پاک کی چھیالیسویں سورۃ میں ارشاد ہے:

ترجمہ:

''اور وہ وقت آن پہنچا جب ہم نے جنوّں کی ایک جماعت کو تمہاری جانب بھیجا تاکہ وہ قرآنی آیات کو سنیں اور جب وہ حاضر ہو گئے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو کر سنو۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف عذاب سے ڈرانے والے بن کر پلٹے''۔

(احقاف۔۲۹)

زخم زخم جسم، بھوک سے نڈھال اور خستہ حال محمدؐ طائف کے شہریوں سے مایوس ہو کر مکہ لوٹ آئے۔ حضورؐ نے یہ جان لیا تھا کہ طائف مسلمانوں کی پناہ گاہ نہیں بن سکتا، لیکن کسی قبیلے سے منسلک ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا انہوں نے قبیلہ زہرہ کے سربراہ ''اخنس بن شریق'' کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ اس سے حقِ جوار چاہتے ہیں۔ اخنس بن شریق نے جواب بھجوایا کہ اگرچہ اس کی یہ خواہش ہے کہ وہ محمدؐ کو جوار (پناہ) دے لیکن وہ ایسا کرنے سے معذور ہے کیونکہ اس نے قبیلہ قریش کے ساتھ معاہدہ کر رکھا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہیل بن عمرو کو پیغام بھجوایا اور اس سے کہا کہ وہ انہیں اپنے قبیلے میں جگہ دے۔ سہیل بن عمرو قبیلہ قریش سے دور پرے کا تعلق رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے بھی حضورؐ کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔

مطعم بن عدی نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کا مثبت جواب دیا اور اپنی قوم کو جمع کر کے ہتھیار باندھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ میں داخل ہوئے اور مسجد الحرام میں حاضر ہو کر طواف کیا۔ مطعم بن عدی اپنی سواری پر سوار تھا۔ اس نے اعلان کیا، ''قریش کے لوگو! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے''۔ مطعم بن عدی اور اس کے لڑکوں نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ و السلام کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا۔ کعبہ میں حاضری کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

عقبہ میں عہد وپیماں

نبوت کے دسویں سال حج کے لئے مکہ آنے والے قبائل کے سربراہوں سے رابطہ کر کے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن قبائلی سرداروں میں سے کسی نے بھی آپؐ کی باتوں پر توجہ نہ دی۔ قریش نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ محمدؐ مجنوں ہو گئے ہیں ان کی باتوں پر توجہ نہ دی جائے۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کام جاری رکھا۔ مکہ اور منیٰ کے درمیان عقبہ کے مقام پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند لوگ ملے۔ آپؐ نے ان سے اپنا تعارف کرایا اور وحدہٗ لاشریک کی صفات بیان کیں۔ ان کی کل تعداد چھ تھی اور وہ یثرب سے آئے تھے۔ ان کے قبیلے کا نام خزرج تھا۔ ان لوگوں نے آپس میں صلاح ومشورہ کیا اور ان چھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ لوگ جب یثرب پہنچے تو انہیں نبی کریمؐ کے پیغام کو عام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اگلے برس عقبہ کے مقام پر مزید بارہ افراد آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دین حنیف میں داخل ہونے کے بعد یہ عہد لیا گیا:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲۔ تخریب اور بُرے اعمال سے دور رہیں گے۔

۳۔ جان ومال کے ساتھ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کریں گے۔

۴۔ اسلام کی حمایت اور سربلندی کے لئے مشرکین سے لڑنا پڑا تو لڑیں گے۔

عقیدہ توحید سے سرفراز ہو کر یہ لوگ واپس جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ نو مسلم حضرات کو تعلیم دیں۔ اس سے اگلے سال یثرب سے آنے والے لوگوں میں سے ۷۵ افراد نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے لئے جان ومال قربان کرنے کے عہد کو دہرایا۔ یثرب میں اسلام کا غلغلہ بلند ہونے اور شب وروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ سے مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ میسر آگئی۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ سے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ یثرب کی طرف ہجرت کر جائیں۔ مسلمان اپنا گھر بار اور سب کچھ چھوڑ کر مکہ سے یثرب ہجرت کر گئے۔ مسلمان اگرچہ چھوٹے چھوٹے قافلوں میں

ہجرت کر رہے تھے، مگر مکہ میں یہ بات پھیل گئی۔ مکہ میں مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے اور مکہ سے باہر نکلنے پر پابندی لگانے کا فیصلہ ہوا۔

مسلمانوں میں سے تین افراد حضرت عباسؓ بن ربیعہ اور دوسرے دو بھائی حضرت امیہ اور حضرت ہاشم بن عاص پر مشتمل گروپ جب مکہ سے روانہ ہونے لگا تو حضرت ہاشم کو کفار نے گرفتار کر لیا۔ اس زمانے میں رائج سزاؤں میں سے ایک سزا یہ تھی کہ زنجیروں میں جکڑ کر صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر چھوڑ دیتے تھے۔ حضرت ہاشمؓ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ حضرت ابو سلمہؓ نے جب ہجرت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان کے سسرال والوں نے ان سے ان کی بیوی چھین لی اور ان کے والدین نے بچہ لے لیا۔ ان کی بیوی نے شوہر اور بچے کی جدائی میں پورا سال رو رو کر گزار دیا۔ بالآخر ان کے گھر والوں نے انہیں شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے دادا دادی سے بچہ کو لیا اور مدینہ پہنچ گئیں۔ حضرت صہیبؓ کی ہجرت کا کفار مکہ کو جب پتہ چلا تو قریش نے کہا کہ تم جب ہمارے پاس آئے تھے تو مفلس تھے۔ یہاں تم نے مال و دولت کمایا ہے۔ اب تم یہ چاہتے ہو کہ اپنا مال اور اپنی جان دونوں لے کر چل دو تو یہ ناممکن ہے۔ حضرت صہیبؓ نے اپنا تمام مال و اسباب ان کے حوالے کر دیا۔

مشرکین کو بہت قلق اور رنج ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان مال، دولت، اولاد، گھر بار کی پرواہ کیے بغیر اپنے رہبر کی بات پر بلا چون وچراں عمل کرتے ہیں۔ وہ اپنے ہر منصوبے میں بُری طرح ناکام ہو گئے تھے۔

دارالندوۃ

دارالندوۃ میں اجلاس ہوا۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زنجیروں میں جکڑ کر قید کرنے اور جلاوطن کرنے کی تجاویز پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ ابوجہل کی طرف سے تجویز پیش کی گئی کہ ہر قبیلہ سے ایک تندرست و توانا آدمی لیا جائے سب مل کر محمدؐ پر حملہ آور ہوں اور تلواروں کے پے در پے وار کر کے ان سے نجات حاصل کر لی جائے۔ اس طرح محمدؐ کا خون کسی ایک قبیلہ کے سر نہیں ہو گا۔ محمدؐ کے قبیلے والے اور ان کے اتحادی تمام عرب سے جنگ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہ تجویز شرکائے مجلس کو پسند آئی اور اس پر عملدرآمد کا منصوبہ تیار کر لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو کفار کے ارادہ سے باخبر کر دیا اور مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ رات کے دوسرے پہر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کے باہر مسلح نوجوانوں کی مشکوک حرکت شروع ہو چکی تھی۔ وہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے ناپاک ارادہ پر عمل کرنے کے لئے تیار تھے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ۔ چند مزید ہدایات دے کر گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ اس وقت آپؐ نے سورۃ یٰسین کی نویں آیت تلاوت کی۔

ترجمہ:

''اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار، پھر اوپر سے ڈھانک دیا، سو ان کو نہیں سوجھتا''۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کی صفوں کے بیچ میں سے نکلتے چلے گئے۔ پروگرام کے مطابق کفار مکہ جب سیدنا علیہ الصلوٰۃ و السلام کے گھر میں داخل ہوئے تو حضورؐ کے بستر پر حضرت علیؓ کو دیکھ کر انہیں اپنی ناکامی پر سخت افسوس ہوا۔

ترجمہ:

''اور جب فریب بنانے لگے کافر کہ تجھ کو بٹھا دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے''۔

(الانفال۔۳۵)

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ پوری رات سفر کرتے رہے۔ صبح صادق کے وقت وہ لوگ غار ثور کے نزدیک پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر کے لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تین سال بڑے تھے۔ ان کا شمار مکہ کے متمول افراد میں ہوتا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی تمام دولت اور جائداد اسلام کی راہ میں قربان کر دی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ غار میں پہنچے۔ غار کو صاف کیا اور اپنی قباء پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں سے غار میں موجود مختلف سوراخوں کو بند کر کے پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو غار میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ غار ثور میں کوئی ایسی چیز موجود نہ تھی جس پر سر رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام استراحت فرماتے۔

حضرت ابو بکرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک اپنی گود میں رکھ لیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے دیکھا کہ غار میں ایک سوراخ باقی رہ گیا ہے۔ انہوں نے اپنا پیر اس سوراخ پر رکھ دیا۔ اس سوراخ میں سانپ تھا جس نے انہیں ڈس لیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آرام کے خیال سے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ لیکن درد کی شدت سے پسینے کے قطرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی پر ٹپکے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھ کھل گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لعاب دہن لگا کر زہر کے اثر کو زائل کر دیا۔ قریش کے کارندے اسی رات مکہ کے آس پاس پھیل گئے اور گرد و نواح کے بیابانوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کروادیا کہ جو شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈھونڈ نکالے گا اسے انعام کے طور پر اونٹ پیش کئے جائیں گے۔ اگلے روز قریش کے کارندے تیز رفتار اونٹوں کے ذریعے اس علاقے تک پہنچ گئے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ قریش کے افراد غار کے سامنے سے گزرے۔ تعاقب کرنے والوں نے دیکھا کہ غار کے منہ پر مکڑی کا جالا بنا ہوا ہے۔ پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعاقب کرنے والے دوسرے گروہ کے لوگ بھی غار کے قریب سے گزرے اور انہوں نے دیکھا کہ غار میں ایک پرندے کا گھونسلہ بنا ہوا ہے اور اس کے انڈے بھی ہیں قریش کی آمد و رفت، دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ پریشان ہو گئے لیکن پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے خدا کی مدد کا یقین دلایا۔

ترجمہ:

''اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا کافروں نے، دو جان سے جب دونوں تھے غار میں جب کہنے لگا تو غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اس پر اور مدد کو بھیجیں وہ فوجیں جو تم نے نہ دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔ اللہ زبردست ہے حکمت والا''۔

(توبہ۔۴۰)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ تین شب و روز تک اسی غار میں ٹھہرے رہے۔

تین دن کی جستجو کے بعد قریش بھی تھک گئے اور مکہ واپس چلے گئے۔ اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا غلام عامر بن فہیرہ طے شدہ منصوبے کے مطابق دو سفید اونٹنیاں لے کر مذکورہ غار تک پہنچ گیا۔

سفر ہجرت کے اگلے مرحلے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''قبا'' میں داخل ہوئے اور اُم کلثوم بن الھدم، سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے رفیق غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کی میزبانی کے شرف سے مشرف ہوئے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیس روز تک قبا میں قیام فرمایا اور اسلام کی پہلی مسجد قبا میں تعمیر کی۔ مسجد کی تعمیر میں سیدنا علیہ الصلوٰۃ و السلام بنفس نفیس شریک ہوئے۔

مدینۃ النبیؐ

شہر مدینہ بلندی پر واقع ہے۔اس کے شمال اور جنوب میں دو پہاڑ ہیں مدینہ کے تین طرف یعنی مشرق، مغرب، جنوب میں منجمد شدہ آتش فشاں پھیلا ہوا ہے۔ مدینہ کی آب و ہوا معتدل ہے اور وہاں جزیرۃ العرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت بارشیں زیادہ ہوتی ہیں۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قصویٰ نامی اونٹنی پر سوار جب مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ کے باشندوں نے آگے بڑھ کر اونٹنی کی مہار تھام لی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میزبانی کا شرف اسے نصیب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا میری اونٹنی کی لگام چھوڑ دو میری اونٹنی وہاں بیٹھے گی جہاں خدا کی مرضی ہوگی اور میں بھی وہیں قیام کروں گا جہاں خدا چاہے گا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی قصویٰ مدینے کے کئی محلوں سے گزری اور محلہ ''النجار'' میں داخل ہوگئی۔ مدینہ کے سارے مسلمان پیغمبرؐ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جاننے کے مشتاق تھے کہ اونٹنی کہاں بیٹھے گی۔

قصویٰ کچھ دیر تک قبیلہ النجار کے محلے میں چکر لگاتی رہی پھر ایسے قطعہ زمین میں داخل ہوگئی جو بالکل خالی تھا۔ اونٹنی وہاں پہنچ کر چند قدم اور آگے بڑھی پھر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس جگہ پر جہاں اونٹنی نے گھٹنے ٹیکے تھے کوئی گھر موجود نہیں تھا اور اس قطعہ زمین کو کھجوریں خشک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گھر تھا اور مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ یہ گھر ابوایوبؓ نامی شخص کی ملکیت ہے۔ جس جگہ حضورؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی تھی وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مالیت سے زیادہ رقم دے کر وہ زمین خرید لی۔ مدینہ پہنچنے کے دوسرے دن پیغمبر اسلامؐ نے مسلمانوں کی مدد سے اس جگہ پر مسجد کی تعمیر شروع کر دی۔ بلا امتیاز سارے مرد جن میں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل تھے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈھوتے، پتھر لاتے، گارا بناتے اور مسجد کی تعمیر میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ مذکورہ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ کا عرصہ لگا۔ مسجد کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

مسجد میں ان مہاجرین کے لئے جن کے پاس رہنے کے لئے جگہ نہ تھی اینٹوں اور گارے کی مدد سے ایک بہت بڑا چبوترا بنایا جو آج بھی صفہ کے نام سے معروف ہے۔ صفہ میں قیام کرنے والے لوگوں کو ''اہل صفہ'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ مکہ سے آنے والے

مسلمان چونکہ تہی دست تھے اور ان کے پاس رہنے کے لئے جگہ نہیں تھی، پیغمبر اسلامؐ نے انصار سے فرمایا کہ مسلمانوں میں کسی ایک کے ساتھ ''عہد اخوت'' باندھ لیں اور انہیں اپنے گھروں میں جگہ دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر حصول معاش کا کام کریں۔ مکہ سے آنے والے ایک سو چھیاسی (۱۸۶) مسلمانوں نے مدینہ کے مسلمانوں یعنی انصار کے ساتھ ''عہد اخوت'' باندھا اور ان لوگوں کے گھروں میں پناہ گزین ہو گئے۔

ترجمہ:

''اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں تحقیق ایمان والے۔ ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی''۔ سورۃ الانفال۔ آیت نمبر 74

یہودی قوم حضورؐ سے ناخوش تھی۔ انہوں نے اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ بوقت ضرورت قریش کا ساتھ دیں گے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے رفقاء کے ساتھ جب اہل مکہ کی دسترس سے دور ہو گئے تو قبیلہ قریش نے حضورؐ کے خلاف معاشی حربہ استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قبیلہ قریش نے جزیرۃ العرب کے شمال میں واقع تجارتی راستوں کو اپنی گرفت میں لے لیا اور مدینہ کو کچھ اسطرح اقتصادی محاصرے میں جکڑ دیا کہ ہر قسم کی اشیائے ضرورت مدینہ پہنچنا بند ہو گئیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ کی معاشی ناکہ بندی سے بہت ملول خاطر تھے۔ انہیں احساس تھا کہ قریش نے ان کی دشمنی میں شہر کے سارے باشندوں کو بھوکا رہنے کی سزا دے رکھی ہے۔

تین سو تیرہ بمقابلہ ایک ہزار

دشمن کو دشمن کے ہتھیار سے ہلاک کرنے کی جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ جس طرح قبیلہ قریش نے مدینہ کو معاشی محاصرے میں لے رکھا ہے اسی طرح وہ بھی مکہ کے تجارتی قافلوں کو مدینہ کی حدود سے گزرنے کی اجازت نہ دیں۔ اس حکمت عملی پر عمل درآمد میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ قریش نے اپنے تجارتی قافلوں کی گزرگاہوں پر آباد قبائل سے معاہدہ کر رکھا تھا۔ جس کے عوض اہل مکہ انہیں ''باج'' ادا کرتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بدوی قبائل میں تشریف لے گئے اور مکہ والوں کی زیادتیوں اور چیرہ دستیوں سے بدوی قبیلوں کو آگاہ کر کے انہیں مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کی دعوت دی۔ قبیلوں نے یہ پیشکش قبول کر لی اور اہل مکہ سے حاصل ہونے والی آمدنی سے دستبردار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ غفار، قبیلہ بنو ضمرہ، قبیلہ جہینیہ اور قبیلہ بنو مدلیج کے سرکردہ افراد کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ بہت سارے لوگ مسلمان ہوئے اور کئی قبیلے مسلمانوں کے اتحادی بن گئے۔ ان قبائل کی بستیاں ایسی جگہ پر تھیں جہاں سے قافلے گزرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں ابن جبیر کی قیادت میں تیز رفتار اونٹوں پر سوار کچھ سواروں نے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ گھروں میں آگ لگا دی۔ مسلمانوں کا مال واسباب لوٹ کر لے گئے۔ انکوائری کے بعد پتہ چلا کہ یہ قریش کی سازش تھی۔ قریش کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹھ مسلمانوں کو منتخب کیا اور ان میں سے عبداللہ بن حجش کو سربراہ بنایا۔ جب عبداللہ نخلہ پہنچے تو رجب کا مہینہ ختم ہونے میں ابھی ایک دن باقی تھا۔ رجب کا مہینہ اہل مکہ کے نزدیک حرمت والا مہینہ تھا۔ اسی دن ایک کارواں نے جو کشمش اور کھالیں لے کر طائف سے مکہ جارہا تھا نخلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ عبداللہ بن حجش نے کارواں کو روک لیا۔ اس قافلے میں قریش کے چار افراد شامل تھے۔ ان افراد میں سے ایک مارا گیا۔ دو اسیر ہو گئے اور ایک بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور مسلمانوں نے قافلے کا سارا مال اور مویشی اپنے قبضے میں لے لئے۔ مکہ میں صدائے اعتراض بلند ہوئی اور مدینہ کے بت پرست یہودیوں نے بھی احتجاج کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف الزام تراشی کی مہم شروع کر دی کہ مسلمانوں نے رجب کے مہینے میں کارواں پر حملہ کر کے دیرینہ قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔ عبداللہ بن حجش مال غنیمت لے کر آئے تو مسلمان بھی شبہ میں پڑ گئے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی غمگیں و ملول

ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ سارا سامان ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے جب تک کوئی فیصلہ نہ ہو۔ اس موقع پر سورۃ بقرہ کی آیات نازل ہوئیں۔

ترجمہ:

"آپ سے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) حرمت والے مہینوں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس ماہ میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ کی راہ روکنا اور خدا سے کفر کرنا اور مسجد الحرام میں داخلے پر پابندی لگانا اور ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے بھی بڑا جرم ہے"۔

کچھ عرصہ بعد کفار مکہ کا ایک اور قافلہ مدینہ کی حدود سے گزر کر مکہ پہنچنے والا تھا۔ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں دو ہزار اونٹوں پر پچاس ہزار مالیت کا سامان لے کر جا رہا تھا۔ مکہ میں یہ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ کفار مکہ نے اس بات کو بنیاد بنا کر نو سو پچاس جنگجو مرد، سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑوں پر مشتمل فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دی۔

مسلمانوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو تین سو تیرہ افراد ستر اونٹوں اور دو گھوڑوں پر مشتمل جماعت مقابلہ کے لئے تیار ہو گئی۔ ہجرت کے دوسرے سال سترہ رمضان کو بدر کے مقام پر دونوں افواج کا سامنا ہوا۔ اس جنگ میں مسلمان تعداد کے لحاظ سے قریش کے مقابلے میں صرف ایک تہائی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور فتح و نصرت عطا کی۔ قریش کی فوج کا سپاہ سالار ابوجہل اس جنگ میں ہلاک ہوا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا تذکرہ قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

ترجمہ:

"سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی، اور کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان، تحقیق اللہ ہے سنتا جانتا"۔

(الانفال۔۱۷)

جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کی خبر مکہ پہنچی تو اہل مکہ نے ایک اور جنگ کے ذریعے مسلمانوں سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مسلمانوں سے جنگ وجدل کرنے والے گروہ کا سربراہ ابوسفیان تھا۔ جنگ بدر میں اس کا ایک بیٹا، سسر اور داماد مارے گئے تھے۔ جبکہ دوسرا بیٹا مسلمانوں کے پاس قید تھا۔ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ مسلمانوں سے انتقام لئے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا اور نہ ہی اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرے گا۔ ابوسفیان کی بیوی نے بھی قسم کھائی کہ اگر اس کے بیٹے، باپ

اور بھائی کے قاتل اس کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس کا کلیجہ چبا لے گی۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر اس کے بیٹے باپ اور بھائی کے قاتل کئی لوگ ہوئے تو وہ ان سب کے کان، ناک اور زبان کاٹ کر ان کا ہار بنائے گی اور جس دن اسلام کو شکست ہو گی تو وہ یہ ہار گلے میں ڈال کر میدان جنگ میں ناچے گی۔

جنگ بدر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بڑی صاحبزادی دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ ابھی حضرت رقیہؓ کو فوت ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ان کا پہلا نواسہ اور ان کی دوسری بیٹی حضرت زینبؓ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مدینہ کے لئے ایک بنیادی آئین مرتب کیا تھا۔ جس کی ایک شق یہ تھی کہ مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ سے گٹھ جوڑ نہیں کریں گے۔ لیکن یہودیوں نے اس آئین کی خلاف ورزی کی اور ان کے کچھ شاعر مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچ گئے تاکہ اہل مکہ کے جذبات کو مشتعل کریں اور انہیں مسلمانوں سے لڑنے پر اکسائیں۔ مدینہ کے یہودی شاعر ایسے وقت پر مکہ پہنچے جب وہاں مسلمانوں کے خلاف غضب و انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ قریش کے سرداروں نے یہ اعلان کروا دیا تھا کہ مکہ کا کوئی شہری جنگ بدر کے مرنے والوں پر آنسو بہائے گا تو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اسے شہر سے اور قبیلے سے نکال دیا جائے گا۔ جنگ بدر میں ابوجہل کی موت کے بعد مکہ میں تین افراد پر مشتمل ایک تنظیم قائم ہوئی۔ جس میں ایک ابی لہب، دوسرا ابوسفیان اور تیسرا صفوان بن امیہ تھا۔ ان تینوں نے یہ عہد کیا کہ جب تک اسلام ختم نہیں ہو جائے گا ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

جو کی چوری

ابی لہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے ایک شخص کو منتخب کیا جس کا بیٹا جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس اسیر تھا۔اس شخص کا نام عمیر بن وہب تھا۔ابی لہب نے اس شخص کے سفری اور گھریلو اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔ عمیر مدینہ پہنچنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر داخل ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے گھر کا دروازہ ہر کسی کے لئے کھلا رکھتے تھے۔ عمیر نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ردا (چادر) دھونے میں مصروف ہیں۔ یہ دیکھ کر عمیر بولا، ''یا محمدؐ! بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ اپنی چادر دھو رہے ہیں جبکہ آپ پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں''۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا میرے پاس غلاموں اور کنیزوں کی فوج نہیں ہے میں اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے کرتا ہوں اور تجھے یقین دلاتا ہوں کہ اپنے کپڑے خود دھونے سے پیغمبری میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے آنے کا مقصد دریافت فرمایا۔ جواب میں عمیر نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کی رہائی کے لئے فدیہ دینے آیا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو اس لئے نہیں آیا کہ فدیہ ادا کر کے اپنے قیدی کو چھڑا لے جائے بلکہ تو مجھے قتل کرنے آیا ہے۔ عمیر نے یہ بات سنی تو لرز گیا اور اس کے کپڑوں میں چھپا ہوا خنجر زمین پر گر گیا۔ عمیر بولا، رب کی قسم! میرے اور ان تین آدمیوں کے سوا جنہوں نے اس قتل کا منصوبہ بنایا تھا کوئی اور انسان اس سازش سے باخبر نہیں ہے۔ بے شک میں آپ کو قتل کرنے آیا تھا۔ یقیناً آپ خدا کے سچے رسول ہیں اور میں آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ عمیرؓ جب مکہ پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ ابی لہب طاعون میں مبتلا ہو کر مر گیا ہے۔

ابی لہب کے بعد ابوسفیان نے مخالفین اسلام کی قیادت سنبھال لی۔ اس کی بیوی نے جس کا نام ''ہندہ'' تھا اپنے شوہر سے زیادہ اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ جنگ بدر کے شکست خوردہ مشرکین نے دس ہفتوں کے بعد مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے ابوسفیان کی سرکردگی میں فوج تیار کی۔ ابوسفیان چار سو سپاہیوں کے ہمراہ ماہ حرام میں مکہ سے نکلا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابوسفیان نے مدینہ کے نزدیک کوہ نیب کے علاقے میں فوج کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود گنتی کے چند سپاہیوں کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہو گیا۔ مکہ کے قریش اور مدینہ کے یہودیوں نے خفیہ طور پر یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ مشرکین مکہ جب بھی مسلمانوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہیں تو یہودی ان کی مدد کریں گے۔ ابوسفیان یہودیوں کے سرکردہ شخص سلام بن میشام سے ملا اور اسے اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔

لیکن ہشام نے فی الوقت ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور تیاری کے لئے وقت مانگا۔

ابو سفیان جب اپنے ارادے میں ناکام ہوا تو اس نے مدینہ سے نکلتے وقت مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دی۔ دو مسلمان مزاحمت کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور وہ مسلمانوں کا سامان لوٹ کر بھاگ نکلا سامان میں ''جو'' کی بوریاں بھی شامل تھیں۔ مذکورہ محلہ مدینہ کے شمال میں واقع تھا اور محلہ عریق کے نام سے پہچانا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بھی ابو سفیان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ابو سفیان اور اس کے سپاہی سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اسلامی تاریخ میں یہ واقعہ ''غزوہ سویق'' کے نام سے مشہور ہے۔ عربی زبان میں سویق جو کو کہتے ہیں۔

احد کے میدان میں..............

ایک طرف جب کہ مکہ کے رہنے والے اپنے آپ کو مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی جنگ کے لئے تیار و آمادہ کر رہے تھے تو دوسری طرف مدینہ میں وہ لوگ جو اسلام کے دشمن تھے ہجو آمیز اشعار کی آڑ میں مسلمانوں کے مقابل نکل آئے تھے۔ابوسفیان نے مکہ پہنچ کر فوج کی تنظیم نو کی اور ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینے میں مدینہ کی طرف کوچ کیا۔

اس مرتبہ تین ہزار جنگجو سپاہی ابوسفیان کے زیر کمان تھے۔جن میں سات سو سپاہی مکمل طور پر مسلح پوش تھے۔صفوان اس فوج کا نائب سالار تھا۔ابوسفیان کے ہمراہ مدینہ آنے والے دوسرے سرداروں میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی شامل تھا۔جس کے سینے میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ بھری ہوئی تھی۔ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی مدینہ کی طرف عازم سفر ہوئی وہ اعلان کر چکی تھی کہ مسلمانوں کے ناک،کان اور ہاتھ کاٹ کر ان کا ہار اپنے گلے میں ڈالے گی۔سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ساتھیوں کے مشورے سے مدینہ سے باہر نکل کر کفار مکہ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور احد کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔منافقین نے شریک ہونے سے انکار کر دیا۔عبداللہ بن ابی ان کا سردار تھا۔

سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ:

''اور تا کہ اللہ انہیں بھی جان لے جنہوں نے منافقت کی،اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑائی کرو یا دفاع کرو تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑائی جانتے تو یقیناً تمہاری پیروی کرتے یہ لوگ ایمان کی بہ نسبت آج کفر کے زیادہ قریب ہیں۔منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو دل میں نہیں ہے۔اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اللہ اسے جانتا ہے''۔

میدان جنگ میں لشکر کی ترتیب و تنظیم قائم کرکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف مقامات پر دستے متعین فرمائے اور ہدایت کی کہ کسی بھی صورت میں اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

جنگ احد میں بڑے نامی گرامی کفار ہلاک ہوئے۔ان کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔جوش اور غیرت کے لئے دف بجا بجا کر اشعار سنانے والی قریشی عورتیں کفار کی پسپائی دیکھ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئیں۔قریش مکہ کا جھنڈا جب زمین پر گر گیا اور دوسرا کوئی کافر اسے نہ اٹھا سکا تو فوج کے حوصلے پست ہو گئے اور فوج اپنے سپاہیوں کی لاشیں چھوڑ کر پسپا ہو گئی۔

متعین جگہ پہاڑی پر موجود مسلمانوں نے اپنی جگہ چھوڑی اور مال غنیمت سمیٹنے لگے۔مسلمان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے برخلاف میدان میں کود پڑے۔تو خالد بن ولید نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی لشکر کی پشت پر جا پہنچے۔پہاڑی مورچوں پر موجود چند مسلمان جنہوں نے جگہ نہ چھوڑی تھی مشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف اس عمل سے مشرکین نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔کافر فوج کا جھنڈا ایک عورت نے اٹھا کر ہوا میں بلند کر دیا۔مشرکین کی پسپا فوج واپس پلٹ آئی اور مال غنیمت سمیٹتے ہوئے مسلمان چاروں طرف سے ان کے نرغے میں آ گئے۔مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی۔کسی نے اعلان کر دیا کہ محمدؐ شہید ہو گئے ہیں۔لشکر آپس میں گڈمڈ ہو گئے۔مسلمانوں کے ہاتھوں بعض مسلمان شہید ہو گئے۔افراتفری کے عالم میں مسلمان جب منتشر ہونے لگے تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکار کر بلند آواز سے کہا ''میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں''۔یہ صدا کفار نے بھی سنی اور وہ مسلمانوں سے پہلے ہی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ گئے۔اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب نو (۹) صحابہ کرامؓ موجود تھے۔کفار نے بھرپور حملہ کیا اور اس معرکہ آرائی میں سات صحابی شہید ہو گئے۔مشرکین چاہتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کر دیں لیکن جان نثاروں نے اپنی جان کے نذرانے پیش کر کے انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیا۔اس حملہ میں عقبہ بن ابی وقاص نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب پتھر پھینکا جس سے آپؐ پہلو کے بل گر گئے اور آپؐ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔آپؐ کا نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ایک مشرک نے آپؐ کی پیشانی زخمی کر دی ایک اور نے اتنے زور سے تلوار ماری کہ آپؐ ایک عرصہ تک کندھے میں چوٹ کا اثر محسوس کرتے رہے۔اسی نے دوسرا وار چہرے پر کیا جس سے خود کی دو کڑیاں چہرے کے اندر دھنس گئیں اور آنکھ کے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر زخم آئے۔

اس موقع پر جانثاری کی اعلیٰ ترین مثالیں سامنے آئیں۔جس وقت سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام چوٹ کھا کر زمین پر گرے حضرت طلحہؓ آپؐ پر بچھ گئے اور کفار مکہ کے بیشتر حملے انہوں نے اپنے جسم پر روک لئے۔حضرت ابو دجانہؓ دشمنوں میں گھرے ہوئے اپنے محبوب پیغمبرؐ تک پہنچے تو آپؐ کے آگے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے اور تیروں کی برسات روکنے کے لئے اپنی پیٹھ کو ڈھال بنا دیا۔

اس نازک ترین لمحہ اور مشکل ترین وقت میں اللہ نے غیب سے مدد نازل فرمائی۔سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حفاظتی دستہ میں شامل حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ احد کے روز اس لمحہ انہوں نے دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو مشرکین کے تابڑ توڑ حملوں سے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کر رہے تھے۔کافر فوج نے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی افواہ پھیلا کر مسلمانوں میں

بد دلی پھیلا دی تھی۔ حضرت انسؓ کے چچا حضرت انس بن نصرؓ نے دیکھا کہ چند مسلمان ہتھیار پھینک کر حوصلہ ہارے بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم لوگ لڑتے کیوں نہیں؟ لوگوں نے جواب دیا۔ اب ہم لڑ کر کیا کریں گے؟ جس کے لئے لڑتے تھے وہ تو شہید ہو گئے۔ حضرت انس بن نصرؓ نے خطاب کیا، ''اگر واقعی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں تو پھر ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے، چلو شہادت کے راستے پر قدم بڑھاؤ کہ ہم بھی آپؐ سے جا ملیں''۔ یہ کہہ کر دشمنانِ اسلام کی فوج میں گھس گئے اور داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ شہید ہونے کے بعد دیکھا گیا تو جسم پر اسی (۸۰) سے زیادہ زخم تھے۔ تیر، تلوار اور نیزے کے اتنے وار ان پر کیے گئے تھے کہ کوئی ان کی لاش نہ پہچان سکا۔ ان کی بہن نے انگلیاں دیکھ کر شہید بھائی کو پہچانا۔

قریش کے غلاموں میں ایک سیاہ فام غلام بھی تھا جس کا نام ''وحشی'' تھا۔ اس نے لالچ میں حضرت حمزہؓ کو ڈھونڈ لیا اور ان کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہؓ بڑی دلیری سے تلوار چلا رہے تھے۔ وحشی کو ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ وحشی نے جب دیکھا کہ حضرت حمزہؓ کی پیٹھ اس کی طرف ہے تو اس نے اپنا نیزہ اتنی قوت سے ان کی طرف پھینکا کہ نیزے کی نوک سینے کے پار ہو گئی اور حضرت حمزہؓ کی روح پرواز کر گئی۔ جب ہندہ نے یہ سنا کہ حمزہؓ وحشی کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں تو اس نے اسی لمحہ نہ صرف یہ کہ وحشی کو آزاد کر دیا بلکہ میدان جنگ میں کھڑے کھڑے اپنے کنگن اور ہار اُتار کر اسے بخش دیئے۔ اور ایک تیز دھار چاقو سے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکال کر چبانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے ان کے ناک اور کان کاٹے۔ ہندہ جگر خور نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قریب پڑی ہوئی مسلمانوں کی لاشوں کے کان اور ناک کاٹ کر ڈوری میں پرو کر ہار بنایا اور گلے میں ڈال کر وحشیانہ رقص کیا۔ ہندہ کے علاوہ قریش کی ایک اور عورت ''سلافہ بن سعد'' بھی میدان جنگ میں وارد ہوئی۔ درندہ صفت سلافہ بن سعد اس مسلمان شہید کا سر کاٹ کر لے گئی جس نے جنگ بدر میں اس کے بیٹے کو قتل کیا تھا۔ بہت مکروہ چیخ میں اس نے کہا جب تک میں زندہ ہوں کھوپڑی کے اس پیالے میں پانی پیا کروں گی۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ چچا کا پیٹ اور سینہ چاک ہے اور کلیجہ چبا کر پھینک دیا گیا ہے۔ کان اور ناک بھی کٹے ہوئے ہیں تو آپؐ بے انتہا غمگین ہوئے۔ وحشی جب ابو سفیان کی فوج سے بھاگ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اقرار کیا کہ وہ حضرت حمزہؓ کا قاتل ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو معاف کر دیا۔ آپؐ نے صرف اتنا کہا کہ وہ کبھی ان کی نظروں کے سامنے نہ آئے۔ لہٰذا اس دن کے بعد وحشی کبھی بھی آپؐ کے سامنے نہیں آیا۔ لیکن اس نے حضرت حمزہؓ کا خون بہا ادا کرنے کے لئے مسلیمہ کذاب سمیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

جنگ اُحد میں مسلمانوں کو پہنچنے والے نقصان کے باعث یہودیوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ یہودیوں نے لوگوں سے کہا اگر محمدؐ اللہ کے رسول ہوتے تو انہیں شکست نہ ہوتی۔ اس موقع پر سورۃ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ ومفہوم:

"کافروں کا مقابلہ کرنا نبیوں کا قدیم دستور ہے۔ اس سے پہلے بھی نبیوں پر تکالیف گزری ہیں۔ لیکن وہ یاس وناامیدی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ وہ استقامت اور پائیداری کی وجہ سے کامیاب ہوئے اور اللہ صاحب استقامت لوگوں کو دوست رکھتا ہے"۔

مسلم قیدیوں کی نیلامی

جماعت قریش نے ہر طرف یہ منادی کرائی کہ مسلمانوں کو زندہ پکڑ لانے پر انعام دیا جائے گا۔ ایک مسلمان قیدی کے لئے اتنا زیادہ انعام مقرر کیا گیا کہ مشرکین مسلمانوں کی کھوج میں لگ گئے۔

تیس (۳۰) افراد پر مشتمل ایک جماعت تبلیغ دین کے لئے جاتے ہوئے ان لوگوں کے نرغے میں آگئی۔ اغوا کرنے والوں نے مسلمانوں کو زندہ پکڑنا چاہا لیکن دو بدو جنگ ہوئی۔ ۳۰ افراد میں سے تین افراد زندہ بچے۔ بدوی لٹیرے ان تینوں کو گرفتار کرکے مکہ لے جانے لگے تو ان میں سے ایک کسی طرح بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ صحرائی لٹیروں نے اس کا تعاقب کیا اور دوبارہ پکڑنا چاہا لیکن جب زندہ پکڑنے میں ناکام ہوگئے تو ان سفاک ظالموں نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے صحرا میں پھینک دیا۔ یہ لٹیرے باقی دو مسلمانوں کو باندھ کر مکہ لے آئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ مکہ سے سارے اشراف ان دونوں کو حاصل کرنے کے لئے اتنے بیقرار ہیں کہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ صحرائی لٹیروں نے جب یہ صورتحال دیکھی تو انعام لینے کے بجائے دونوں مسلمانوں کو نیلام کرنے کا فیصلہ کر لیا تا کہ زیادہ سے زیادہ رقم مل جائے۔ سب سے زیادہ بولی لگانے والا شخص صفون بن امیہ تھا۔ جو ابوسفیان کے بعد مکہ کا سب سے بڑا سردار مانا جاتا تھا۔ اس نے ایک مسلمان حضرت عمر بن ثابتؓ کو خرید لیا۔

جبکہ دوسرے مسلمان کو مکہ کے ایک اور سرکردہ شخص نے بھاری قیمت دے کر خرید لیا۔ اہل مکہ نے جب یہ دیکھا کہ دو مالدار لوگ دو مسلمانوں کو خرید کر اپنے طور قتل کر کے انتقام کی آگ بجھانا چاہتے ہیں تو انہوں نے احتجاج کیا کہ ہم نے بھی مسلمانوں کے ہاتھوں اذیت اٹھائی ہے۔ بدر و اُحد میں ہمارے عزیز و اقرباء بھی قتل ہوئے ہیں۔ ہمارا بھی حق بنتا ہے کہ ان دو مسلمانوں کو مرتے اور تڑپتے دیکھیں۔ تجویز پیش کی گئی کہ ان دونوں کو مکہ کے بڑے میدان میں قتل کیا جائے۔ صفوان بن اُمیہ نے کہا کہ میں نے اس مسلمان کے لئے بھاری رقم ادا کی ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد اس کے سر کی بولی لگاؤں گا تا کہ جو بھی چاہے اس کے سر کو خرید لے اور اس کا سئہ سر کو پانی پینے کے لئے استعمال کرے۔ جس شخص نے سب سے زیادہ قیمت لگائی تھی جب وہ تن سر سے جدا کرنے کے لئے جنازے کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ حضرت عمیر شہید کے جسم پر سنہرے رنگ کی بے شمار بھڑیں جمع ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں دوسری بھڑیں جنازے کے ارد گرد منڈلا رہی ہیں۔ حضرت عمیرؓ کا سر خریدنے والا سنہری بھڑوں کی فوج دیکھ کر خوفزدہ

ہو گیا اس نے اپنے دل میں کہا کہ رات کو یہ بھیڑیں چلی جائیں گی تو سر کاٹ کر لے جاؤں گا۔ لیکن غروب آفتاب کے بعد سیاہی پھیلی اور موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ بارش اتنی زیادہ برسی کہ سیلاب آگیا۔ نہیں معلوم کس مقام پر پانی حضرت عمیرؓ کی لاش کو بہا کر لے گیا۔

اس وقت کے سنگدل اہل مکہ دوسرے مسلمان کو شہر سے باہر لے گئے اور اسے مصلوب کر دیا۔

سن ۶۲۵ء جون کے مہینے (۳ ھجری) میں چالیس افراد پر مشتمل مسلمانوں کا ایک دستہ مدینہ سے تبلیغ دین کے لئے روانہ ہوا اور ''معونہ'' نامہ کنویں کے پاس کفار نے ان پر حملہ کر دیا۔ مسلمانوں نے آخری دم تک مزاحمت کی اور سب کے سب شہید ہو گئے۔

منافق

قریش مکہ نے مدینہ پر سیاسی تسلط قائم کرنے کے لئے یہودیوں کے ساتھ جنگی معاہدہ کیا اور بنی فزارہ کو اور بنی غطفان قبیلوں کو بھی اپنا اتحادی بنالیا۔ طے یہ پایا کہ اس سال کھجوروں کی ساری فصل قبیلہ غطفان اور بنی فزارہ کو دے دی جائے اور اس کے بدلے میں وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف قریش مکہ اور یہودیوں کی مدد کریں گے۔ مدینہ کے مشرق میں قبیلہ بنو سلیم آباد تھا۔ قریش نے اس قبیلہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا اور اس کے علاوہ دو اور قبیلے جن کا نام کنان اور ثاقف تھا قریش کے اتحادی بن گئے اور یوں ان کے بزعم خود مدینہ پر قریش کا سیاسی تسلط قائم ہو گیا اور بہت جلد یہ سیاسی محاصرہ ایک مکمل اقتصادی پابندی میں تبدیل ہو گیا۔ اس صورتحال میں مدینہ کے تجارتی قافلے شمال جنوب اور مشرق کی طرف نہیں جا سکتے تھے۔ شام کی سرحد کے نزدیک اب ایک ہی شہر دومتہ الجندل ایسا تھا کہ جس سے تجارتی قافلے گزر سکتے تھے اور وہاں کے حکمران نے بھی مسلمان قافلوں پر پابندی لگا دی۔ مسلمان تاجروں کے لئے ضروری تھا کہ مدینہ کے شہریوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے یہ راستہ استعمال کریں۔ مدینہ کی سیاسی اور اقتصادی ناکہ بندی مکمل ہونے کے بعد اتحادیوں اور جملہ منافقوں کے سربراہ عبداللہ بن ابی نے پیغمبر اسلامؐ اور عام مسلمانوں کے خلاف ایک نئی سازش کا منصوبہ بنایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے سے باہر بلایا جائے اور جب محمد صلی اللہ علیہ و سلم مدینہ میں نہ ہوں تو اچانک حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کر دیں۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے قبیلہ بنو مصطلق کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب پتہ چلا کہ بنو مصطلق کا قبیلہ مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو جوابی کاروائی کا فیصلہ صادر کر دیا۔ ادھر منافقوں کا سربراہ عبداللہ بن ابی مسلمانوں کے قتل کی تدبیر کر رہا تھا۔ ادھر اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک گروہ کی قیادت اس کے سپرد کی اور اپنے ہمراہ محاذ جنگ پر لے گئے۔ اس طرح منافقوں کی جماعت مدینہ میں سربراہ کے بغیر رہ گئی۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ نکلا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیر موجودگی میں مدینہ پر حملہ کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ اس سفر میں کل تیس افراد تھے۔ جن میں دس افراد مہاجر اور بیس انصار تھے۔ جبکہ بنو مصطلق کا لشکر دو سو سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ قبیلہ بنو مصطلق کے دس افراد موت کے گھاٹ اُتر گئے اور پورا قبیلہ اسیر ہو گیا۔ اس جنگ میں ایک مسلمان شہید ہوا۔

خندق والی جنگ

دومتہ الجندل کے حکمران نے شام اور بین النہرین کو جانے والے مدینہ کے کاروانوں پر پابندی عائد کرکے اہل مدینہ کا اقتصادی گلا جکڑ رکھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہزار افراد کے ساتھ دومتہ الجندل کی جانب روانہ ہوئے۔ راستے میں قبیلہ غطفان کے سربراہ سے ملاقات کی تاکہ جنگ کی صورت میں اسے غیر جانبدار رہنے کی ترغیب دے سکیں۔ رئیس نے کہا کہ وہ قریش مکہ اور خیبر کے یہودیوں کا اتحادی ہے۔ معاہدہ کے تحت وہ مدینہ پر ہونے والے متوقع حملہ میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان کی مدد کرے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکوائری کروائی اور جب معلوم ہوا کہ یہ اطلاع درست ہے تو آپؐ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ جنگی ساز وسامان سے لیس قریش کی فوج دس ہزار تھی۔ معزز صحابی سلمان فارسیؓ نے بتایا کہ عجم میں قلعے یا شہر کا دفاع کرنے کے لئے اس کے گردونواح میں خندق کھودی جاتی ہے۔ خندق کی گہرائی اور چوڑائی اتنی ہوتی ہے کہ دشمن کی پیادہ یا سوار فوج اسے پھلانگ نہ سکے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خندق کھودنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور حکم دیا کہ مدینہ کے مضافات میں پھیلے ہوئے کھیت اور باغات کی ساری پیداوار مدینہ کے گوداموں میں ذخیرہ کردی جائے۔ مدینہ کے تمام مسلمان مرد اور عورتیں حتیٰ کہ جواں سال لڑکے اور لڑکیاں اور جو بھی بیلچہ اور کدال اُٹھانے کے قابل تھے خندق کھودنے میں مصروف ہوگئے۔ چھ کلو میٹر لمبی خندق کھودنے کے لئے مسلمانوں نے روز وشب محنت کرکے ایثار ووفاداری کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دن رات کام کیا اور دوسروں کا ہاتھ بٹایا۔ کبھی کدال چلاتے اور کبھی مٹی ڈھونے میں مصروف ہوجاتے۔ مسلمان دس دس کی ٹولیوں میں خندق کھود رہے تھے۔ جب دس افراد اپنا مقررہ کام قبل از وقت پورا کرلیتے تو رضاکارانہ طور پر دوسروں کے کام میں شریک ہوجاتے تھے۔

خداوحدہ لاشریک کی منکر دس ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل مکہ کی فوج مدینہ پہنچی تو موسم بدل رہا تھا۔ سپاہیوں کو خیموں میں سردی لگ رہی تھی۔ مسلمان بھی جو خندق کے مختلف مقامات پر نگہبانی کے فرائض انجام دے رہے تھے سردی کی وجہ سے تکلیف میں تھے۔ ابوسفیان خندق سے گزرنے اور مدینے پر حملہ کرنے میں جب ناکام رہا تو اس نے یہودیوں سے رابطہ قائم کرلیا۔ مسلمانوں کو جب پتہ چلا کہ بنو قریظہ اور قریش مکہ کے درمیان جنگی معاہدہ ہونے والا ہے تو انہیں تشویش ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا، یارسول اللہؐ! ہم خطرے میں ہیں۔ اگر بنو قریظہ پشت سے اور قریش سامنے سے حملہ کردیں تو ہمیں بہت نقصان اُٹھانا

پڑے گا۔ ہو سکتا ہے ہم فتح حاصل نہ کر سکیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی سکون اور یقین سے فرمایا۔" مشرکوں کو یہودیوں کی کمک پر بھروسہ ہے جبکہ میں اللہ کی مدد پر یقین رکھتا ہوں۔ یقین رکھو! اللہ ہمیں بے یار و مدد گار نہیں چھوڑے گا"۔ حالات کچھ ایسے بنے کہ بنو قریظہ اور قریش کے درمیان بد گمانی اور عدم اعتماد کی فضا پیدا ہو گئی اور مسلمانوں کے خلاف متحد نہیں ہو سکے۔

خندق کے پار، جب دس ہزار فوج کو پڑے ہوئے دو ہفتے گزر گئے تو غذا اور مویشیوں کی خوراک کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ فوج کا سپہ سالار پریشان تھا کہ اگر خوراک کا انتظام نہ ہوا تو بغاوت ہو جائے گی اور سپاہی آپس میں لڑ مریں گے۔ ابھی مسئلہ کا کوئی حل سامنے نہیں آیا تھا کہ رات کو اتنی تیز آندھی آئی کہ خیمے اُکھڑ گئے۔ خیمے ہوا میں غباروں کی طرح اُڑنے لگے۔ آگ بجھ گئی تو شدید سردی ہو گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ پانی کا سیلاب آ گیا۔ ابو سفیان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ خود ابو سفیان کو بھاگنے کی جلدی تھی کہ جب وہ اونٹ پر بیٹھا تو اسے اتنا ہوش نہیں تھا کہ اونٹ بندھا ہوا ہے۔ وہ اونٹ کو کو بھگانے کے لئے پے درپے تازیانے مار رہا تھا۔ مشرکوں کی فوج مدینے کا محاصرہ چھوڑ کر اُلٹے پاؤں بھاگ گئی۔ اگرچہ جنگ ختم ہو چکی تھی۔ دشمنان اسلام کی فوج جا چکی تھی۔ لیکن مدینہ کا اقتصادی اور معاشی محاصرہ جاری تھا۔

حدیبیہ

ایک رات سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب دیکھا کہ آپؐ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور عمرہ ادا کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب تمام مسلمانوں کے ساتھ مکہ جانے کا عزم کیا تو صحابہ نے پوچھا۔ کیا آپؐ کا ارادہ ہے کہ مکہ پر حملہ کر دیا جائے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا۔ نہیں ہم صرف عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ جا رہے ہیں۔ ہجرت کے چھٹے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو ہزار (۲۰۰۰) ساتھیوں کے ہمراہ مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس بار مسلمانوں کے قافلے میں کئی سو اونٹ بھی شامل تھے۔ سرداران قریش کے لئے یہ وقت بہت سخت تھا۔ وہ فیصلہ کرنے سے قاصر تھے۔ اگر اجازت دے دی جائے کہ مسلمان کئی سو اونٹوں کے ہمراہ شہر میں داخل ہو جائیں تو یہ اندیشہ تھا کہ وہ مکہ پر قبضہ کر لیں گے۔ اگر دو ہزار مسلمان مکہ میں داخل ہو جائیں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جب وہ وہاں سے نکلیں گے تو دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوں گے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خدشات اور اندیشوں کو دور کرنے کے لئے ایک ایلچی بھیجا جو قریش مکہ کو بتائے کہ مسلمان لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ ان کا مقصد صرف کعبہ کی زیارت کرنا ہے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، اگر مسلمان جنگ کے لئے آتے تو ہتھیار پہن کر آتے۔ لیکن سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایلچی مکہ نہ پہنچ سکا۔ دو سو سواروں کا دستہ جس کی قیادت عکرمہ ابن ابو جہل کر رہا تھا، راستہ میں مزاحم ہوا اور مسلمانوں کو پکڑ لیا۔ ان کے جتنے اونٹ تھے۔ ان کی ٹانگیں کاٹ دیں۔ ایلچی اور اس کے ساتھی اونٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد ریگستان میں بھٹک گئے۔ قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں خدائی مدد سے مسلمانوں کے قافلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

''ذوالحلیفہ'' کے مقام پر مسلمانوں نے قربانی کے اونٹوں پر نشان لگانے کی رسم ادا کی۔ مسلمانوں نے اسی مقام پر عمرہ کے لئے احرام باندھے اور مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر قسم کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے ذوالحلیفہ کا پہاڑی علاقہ اختیار کیا اور مکہ کی جانب اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر ذوالحلیفہ کی سرزمین سے گزرنے کے بعد وہ لوگ ایک انتہائی تنگ اور دشوار گزار پہاڑی علاقے میں داخل ہوئے جہاں سے اونٹوں کا گزرنا مشکل اور خطرناک تھا۔ اس پہاڑی علاقے میں مسلمانوں کو سورج کی حدت اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بہت تکلیف ہوئی۔ لیکن انہوں نے کسی نہ کسی طرح راستہ طے کر لیا۔ اور ایسے علاقے میں داخل ہو گئے

جو ”حدیبیہ“ کے نام سے مشہور تھا۔ حدیبیہ مکہ سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے مکہ شہر پوری طرح نظر آتا ہے۔ مکہ کے رہنے والے لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ ان کے سینے میں دل تڑپ اُٹھا کہ تھوڑی دیر بعد وطن کی مٹی کی سوندھی خوشبو سے جسم و جان معطر ہو جائیں گے۔

لیکن ٹھیک ایسے لمحات میں جبکہ مسلمان احترام کے جذبے اور والہانہ عشق سے مکہ پہنچنے کی تمنا کر رہے تھے پیغمبر اسلامؐ کا اونٹ جس کا نام ثعلب تھا چلتے چلتے رکا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹ کو اُٹھانا چاہا وہ اٹھ گیا لیکن اُٹھنے کے بعد دو قدم پیچھے ہٹا اور دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اونٹ سے اتر آئے اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا خدا کی مرضی یہی ہے کہ ہم لوگ اس جگہ قیام کریں۔ رسول اللہؐ کا یہ ارشاد سُن کر سارے مسلمان اونٹوں سے اتر آئے۔ لیکن وہ بہت غمگین اور دل گرفتہ تھے۔ انہیں توقع نہ تھی کہ مکہ کی حدود میں داخل ہو کر، مکہ سے باہر ٹھہرنا پڑے گا۔ یہ جگہ حدیبیہ کے علاقے میں تھی۔ موسم بہار میں پانی یہاں وافر مقدار میں ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت وہاں پانی نہیں تھا۔

مسلمانوں نے اللہ کے محبوب دوست پیغمبر اسلام رسول اللہؐ سے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہمارے ساتھ کئی سو اونٹ ہیں اور ہم تقریباً دو ہزار افراد ہیں۔ یہاں پانی نہیں ہے۔ ایسے خشک علاقے میں کیسے رہیں گے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ ہم آگے بڑھیں اور ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں پانی میسر ہو۔

رسول اللہؐ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی، ”اے خالق و مالک اللہ! اگر تو پانی مہیا نہ کرے تو مسلمان بے اختیار حرم میں داخل ہو جائیں گے“۔ آپؐ نے وہاں موجود متروک اور خشک کنویں میں اپنے تیر کش میں سے ایک تیر گاڑنے کا حکم دیا۔ تیر گاڑتے ہی کنویں میں سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔

محمد الرسول اللہؐ کی آمد کی خبر سن کر قریش کے لوگ اس الجھن میں پھنس گئے کہ اگر ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں، جزیرۃ العرب کے لوگ مخالف ہو جائیں گے۔ عرب قبائل یہ سمجھیں گے کہ ہم خانہ کعبہ کے مالک بن بیٹھے ہیں اور حج و عمرہ اور زیارت کعبہ اب قریش کی مرضی سے ہو گا اور محمدؐ کے بڑے قافلے کو مکہ میں آنے دیتے ہیں تو سارے عرب میں سبکی ہو گی کہ محمدؐ ہم پر غالب آ گئے۔

اس مخدوش صورت حال سے نمٹنے کے لئے انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو سفیر مقرر کیا تا کہ وہ حدیبیہ جا کر محمدؐ سے مذاکرات کرے۔ عروہ بن مسعود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا کہ تم لوگ کس مقصد سے آئے ہو؟ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ ہم خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ لڑنے اور جھگڑا کرنے نہیں آئے۔ عروہ بن مسعود کو قربانی کے اونٹ دکھائے جن پر قربانی کے نشان لگے ہوئے تھے۔ گفتگو کے دوران عروہ نے بڑی بدتمیزی سے سیدنا علیہ الصلوٰۃ و

السلام کے چہرہ اقدس کو ہاتھ لگایا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے غضبناک ہو کر تلوار کی نوک اس کے ہاتھ میں چبھوئی اور بولے، گستاخی نہ کر ادب سے بات کر۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عروہ سے کہا، اے عروہ! اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو اس گستاخی کی سزا میں ہم تجھے موت کی نیند سلا دیتے۔

عروہ بن مسعود جب قریش کے پاس پہنچا تو اس نے قریش کے بزرگوں سے کہا:

"میں نے روم کا دربار، حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا دربار دیکھا ہے۔ لیکن جو وفاداری اور جاں نثاری مسلمانوں کے دلوں میں محمدؐ کے لئے ہے وہ مجھے قیصر اور نجاشی کے لئے نظر نہیں آئی"۔

عروہ بن مسعود کے بعد ایک اور شخص قریش کے سفیر کی حیثیت سے حدیبیہ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے اونٹ ان کے ساتھ ہیں۔ واپس جا کر قریش سے کہا کہ میں نے قربانی کے اونٹوں کو دیکھا ہے۔ جن پر سلیقہ (قربانی کا مخصوص نشان) بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے سنا کہ وہ حج کا مخصوص ورد پڑھ رہے تھے۔ للہٰذا اس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں کہ وہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں اور میرے خیال میں ان کے اوپر پابندی نہیں لگانی چاہیئے۔ لیکن قریش مطمئن نہیں ہوئے۔ تیسری بار حلیس بن علقمہ کو بھیجا گیا۔ حلیس جب وہاں پہنچا تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"قریش کے نمائندے کو آزاد چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ جہاں جانا چاہے، جائے۔ جس سے چاہے ملاقات کرے اور جو چاہے دیکھے"۔ حلیس بن علقمہ نے بھی یہی دیکھا کہ سارے مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں۔ اور قربانی کے لئے اپنے ساتھ اونٹ لائے ہیں۔ حلیس کو مسلمانوں کی خیمہ گاہ میں کہیں جنگی ہتھیار نظر نہیں آئے۔ حلیس تیزی سے مکہ پہنچا اور قریش کے سامنے اپنے تاثرات بیان کر کے کہا:

"اے مکہ کے سردارو! میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان خانہ کعبہ کی زیارت کرنے آئے ہیں۔ ان کی نیت میں کھوٹ نہیں ہے۔ میرے خیال میں انہیں مکہ آنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ ہر شخص کو خانہ کعبہ کی زیارت کا حق ہے۔ خانہ کعبہ پر کسی کی اجارہ دار نہیں ہے۔"

قریش کے سردار مکہ میں مسلمانوں کے داخلہ پر رضامند نہیں ہوئے۔ تو حلیس ناراض ہو گیا۔ اور کہا "اگر تم نے محمدؐ اور ان کے پیروکاروں کو مکہ میں آنے اور کعبہ کی زیارت سے روکا تو میں تم لوگوں سے علیحدہ ہو جاؤں گا اور تم بھی آج کے بعد مجھے اپنا اتحادی نہ سمجھنا"۔

قریش اپنی ضد پر اڑے رہے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قاصد فراش بن امیہ خزاعی کو مکہ بھیجا تاکہ وہ اہل مکہ کے خدشات کو دور کریں۔ قریش نے ان کو گرفتار کر لیا اور ان کے اونٹ کو مار ڈالا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کو قاصد بنا کر مکہ بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے جب قریش سے ملاقات کی تو اہل قریش نے کہا کہ آپ ہمارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ کعبہ کا طواف کریں اور عمرہ ادا کریں لیکن محمدؐ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ خانہ کعبہ میں داخل ہوں۔ کور چشم قریش کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مذاکرات ناکام ہو گئے۔ اس دوران مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعت الرضوان

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے۔ جو شخص اس میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ وہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے کہ آخری دم تک وفادار رہے گا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت کی۔

سورۃ فتح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ:

''اور جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے، وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے، اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے، پھر جو کوئی قول توڑے سو توڑتا ہے اپنے بُرے کو اور جو کوئی پورا کرے جس پر اقرار کیا اللہ سے، دے گا اس کو اجر بڑا''۔

(آیت نمبر ۱۰)

''بیعت الرضوان'' کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر درست نہ تھی۔

دو دن دورات کے طویل مذاکرات کے بعد ''سہیل بن عمرو'' کو ایک وفد کی قیادت سونپ کر قریش مکہ نے حدیبیہ بھیجا تاکہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضروری مذاکرات کرے۔ مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان ''عدم جارحیت'' کا معاہدہ کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو بلوایا اور ان سے کہا کہ وہ معاہدے کی دستاویز تیار کریں۔ حضرت علیؓ نے لکھنا شروع کیا۔ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''، سہیل بن عمرو نے فوراً ٹوکا اور بولا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے۔ علی کو'' باسمک اللھم'' لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ قدیم زمانے سے ہم عربوں کے تمام معاہدے اسی نام سے شروع ہوتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اگلا فقرہ لکھا'' یہ معاہدہ ہوا ہے محمدؐ اور سہیل بن عمرو کے درمیان''۔ لیکن سہیل بن عمرو نے ایک بار پھر اعتراض کیا اور کہا کہ یوں مت لکھو کیونکہ ہم محمدؐ کو خدا کا رسول نہیں مانتے اور اگر مانتے تو مکہ میں آنے سے کیوں روکتے؟ لٰہذا اس معاہدے کا آغاز یوں ہونا چاہیے،'' یہ معاہدہ

منعقد ہوتا ہے محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان''۔ حضرت علیؓ نے حضورؐ کی طرف دیکھا اور آپؐ نے کہا۔''یا علی وہی لکھو جو سہیل کہتا ہے تاکہ اس کی رضامندی حاصل رہے''۔ معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں۔

''باسمک اللھم۔ یہ معاہدہ منعقد ہوتا ہے محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان اور اس معاہدے کی رو سے قریش یہ منظور کرتے ہیں کہ آئندہ دس سال تک مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان جنگ نہیں ہو گی اور ان دس سالوں میں اگر کوئی شخص قریش کی اجازت کے بغیر مسلمانوں سے آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اسے قریش کے حوالے کر دیں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر قریش کے پاس آجائے تو وہ اسے مسلمانوں کے حوالے نہیں کریں گے۔ متارکہ جنگ کے ان دس سالوں میں نہ کوئی فریق دوسرے کی جان اور مال پر تعرض کرے گا اور نہ ہی اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ اس دس سالہ مدت میں قریش کو اجازت ہو گی کہ جس کے ساتھ چاہیں عہد و پیمان باندھیں اور آزادانہ معاہدہ کریں اور اپنی مرضی سے راہ و رسم بڑھائیں۔ مسلمانوں کو اس سال مکہ میں داخل ہونے اور کعبہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں ہو گی لیکن اگلے سال وہ کعبہ کی زیارت کے لئے آسکتے ہیں۔ تاہم شرط یہ ہے کہ تین دن سے زیادہ مکہ میں نہیں ٹھہریں گے اور تلوار کے علاوہ کوئی دوسرا ہتھیار اپنے ساتھ نہیں لائیں گے۔

یہ معاہدہ ہجرت کے ساتویں سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قریش مکہ کے درمیان ہوا۔ سبھی مسلمان قریش کی طرف سے لگائی ہوئی پابندی سے دل گرفتہ تھے اور اسے اپنی توہین سمجھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچے اور سوال کیا۔

یارسول اللہؐ کیا آپؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور خانہ کعبہ کا طواف کریں گے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا تم انشاءاللہ مکہ ضرور جاؤ گے اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کرو گے۔

معاہدہ حدیبیہ پر دستخط ہونے کے دو دن بعد ابو جندل(۱) مکہ سے بھاگ نکلے اور حدیبیہ پہنچ کر مسلمانوں سے آملے۔ ابو جندلؓ کے حدیبیہ پہنچتے ہی سہیل بن عمرو بھی وہاں آگیا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے بولا، ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدے کی رو سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھوں بھاگ نکلے اور تمہاری پناہ میں آجائے تو تمہارا یہ فرض ہے کہ اسے ہمارے حوالے کر دو۔ لہٰذا میرے لڑکے ابو جندل کو میرے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ ابو جندل مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے باپ کو معلوم نہیں تھا۔ آپؐ نے بادل نخواستہ ابو جندلؓ کو ان کے باپ کے حوالے کر دیا۔

ابو جندل نے ملتجی ہو کر کہا، یارسول اللہؐ! میرا باپ مجھے مار ڈالے گا۔ حضورؐ نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا، ابو جندل ڈرو نہیں اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ لیکن اس واقعہ سے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور کعبہ کی زیارت سے محروم ہونے کے بعد ان کے

اعصاب پر یہ دوسری کاری ضرب تھی۔ لیکن بیعت رضوان نے انہیں بے قابو نہ ہونے دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دیکھا کہ عام مسلمان بہت ملول اور رنجیدہ ہیں تو آپ نے انہیں جمع کر کے سورۃ فتح کی آیات سنائیں:

(۱) ابو جندل مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے باپ کو معلوم نہیں تھا۔

ترجمہ:

''اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے، جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے، پھر جانا جو ان کے جی میں تھا، پھر اتارا ان پر چین اور انعام دی ان کو ایک فتح نزدیک''۔ (آیت نمبر ۱۸)

صلح نامہ کے بعد سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور ذبح کر دو اور سر منڈوا کر احرام کھول دو۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ حکم دیا مگر صحابہ کرامؓ اس قدر غمگیں، شکستہ دل اور رنج و غم میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس موقع پر بہت رنجیدہ ہوئے اور اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے اپنے دُکھ کا اظہار کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ؐ اپنا اونٹ ذبح کر کے سر منڈوالیں مسلمان آپ ؐ کی پیروی کریں گے۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قربانی کر کے سر منڈوالیا تو صحابہ کرامؓ نے قربانیاں دیں اور سر منڈوا کر احرام سے نکل آئے۔

صحرا میں اسلامی فوج

عام مسلمان معاہدہ کے دیر پا اثرات کو نہ سمجھ سکے تھے۔ جب وہ اپنے سر منڈوانے اور احرام سے نکلنے کے بعد سوئے مدینہ روانہ ہوئے تو بہت غمزدہ اور دل گرفتہ تھے۔ ایسی حالت میں جب کہ مسلمان دلوں میں درد چھپائے مدینہ کی جانب گامزن تھے راستے میں ایک اور مسلمان ابو بصیرؓ نے جو مکہ سے بھاگ نکلے تھے مسلمانوں سے پناہ کی درخواست کی۔ ابو بصیرؓ ابھی اطمینان کا سانس نہ لینے پائے تھے کہ قریش کے دو افراد بھی وہاں پہنچ گئے اور مطالبہ کیا، ''یا محمدؐ! معاہدے کی رو سے ابو بصیرؓ کو ہمارے حوالے کیا جائے''۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا وہ آگے بڑھ کر بولے، ''یارسول اللہؐ! اس مرتبہ آپ اس شخص کو واپس نہ بھیجیں۔ یہ ہم سے پناہ مانگنے آیا ہے۔ اگر ہماری جان بھی چلی جائے تو اسے قریش کو نہ دیں گے''۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا کہ ہم ایفائے عہد کے پابند ہیں۔ یہ جواب سن کر مکہ سے آنے والے دو آدمیوں نے مسلمانوں کے سامنے ابو بصیرؓ کو اونٹ کی پیٹھ پر باندھا اور روانہ ہو گئے۔

ابو بصیرؓ نے راستے میں اپنی رسیاں توڑ ڈالیں اور رہائی پانے میں کامیاب ہو گئے۔ ابو بصیرؓ نے دو میں سے ایک شخص کو موت کی نیند سلا دیا۔ جبکہ دوسرا جان بچا کر بھاگ گیا۔ ابو بصیرؓ دوبارہ مسلمانوں سے آملے اور ان سے پناہ کی درخواست کی۔ اگلے روز زندہ بچ جانے والا شخص مسلمانوں کے قافلے تک پہنچ گیا اور ابو بصیرؓ کا مطالبہ کرنے لگا۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نے حکم دیا کہ ابو بصیرؓ کو اس شخص کے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن اس سے پہلے کہ قریش کا نمائندہ ابو بصیرؓ کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے وہ اس کے ہاتھوں سے نکل کر فرار ہو گئے۔ انہوں نے مکہ جانے کے بجائے ریگستان میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔

ابو بصیرؓ ذوالمروہ کے مقام پر پناہ گزین ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ابو جندلؓ بھی مکہ سے فرار ہو گئے اور ذوالمروہ پہنچ کر ابو بصیرؓ سے آملے اور پھر ایک اور مسلمان جن کا نام عتبہ بن اسد تھا مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ پہنچے۔ رفتہ رفتہ دوسرے مسلمان بھی مکہ سے نکل کر وہاں پہنچنا شروع ہو گئے اور ایک اسلامی گروہ تشکیل پا گیا۔

حدیبیہ کا معاہدہ ہوئے ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ ذوالمروہ میں مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ فوج بن گئی۔ وہ مکہ جانے والے کاروانوں کا راستہ روک کر ان سے مال غنیمت حاصل کرنے لگے۔ ذوالمروہ کے مسلمانوں نے کچھ اس طرح قریش کو ناکوں

چنے چبوادیئے کہ انہوں نے عاجز ولاچار ہو کر خود ہی پیغمبر اسلامؐ سے درخواست کی کہ وہ مکہ سے بھاگ کر ذوالمروہ میں جمع ہونے والے مسلمانوں کو مدینہ بلوالیں۔

اس سال خشک سالی کی وجہ سے مکہ قحط سالی میں آگیا۔ قبیلہ یمامہ کی سرزمین اشیائے خوردونوش کا انبار سمجھی جاتی تھی اور قبیلہ یمامہ کے سارے افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ قبیلہ کے سربراہ نے مکہ والوں سے تجارت پر پابندی عائد کردی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یمامہ کے سربراہ کو ہدایت جاری کیں کہ وہ اہل مکہ کو اشیائے خوردنی فروخت کرنے پر پابندی نہ لگائے۔ اسکے علاوہ پیغمبر اسلامؐ نے پانچ سو سونے کے سکے مکہ بھجوائے تاکہ وہاں کے غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کردیئے جائیں۔

پانچ سو سکوں کے علاوہ بہت زیادہ وزن میں کھجوریں ابوسفیان کو بھجوائیں اور پیغام دیا کہ ان کھجوروں کی قیمت کے برابر چمڑے یا کھالوں کا تبادلہ کرسکتا ہے۔ ابوسفیان نے کوشش کی کہ کھجوریں واپس کردے لیکن وہ ایسا نہ کرسکا۔ کیونکہ اہل مکہ کو کھجوروں کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔ وہ بھوک سے نڈھال تھے۔ ابوسفیان نے بادل نخواستہ کھجوریں قبول کرلیں اور ان کی جگہ چمڑا روانہ کردیا۔

دوسری طرف جب مکہ کے عام باشندوں کو پتہ چلا کہ یہ کھجوریں محمدؐ کی جانب سے بھیجی گئی ہیں تو پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں ان کے اندر نیک جذبات پیدا ہوئے۔

خیبر کی فتح

مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان صلح حدیبیہ کے معاہدے کے باوجود خیبر کے یہودیوں نے اپنی عداوت بھرے طور طریقے نہیں بدلے۔ وہ لوگ بدستور مسلمانوں کے تجارتی قافلوں کو خیبر کے مضافات سے گزرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے تاکہ مسلمان شمالی ملکوں سے اقتصادی رابطہ قائم نہ کر سکیں۔

یہود کی ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے کے لئے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کیا کہ خیبر کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ خیبر میں آٹھ جنگی قلعے تھے۔ اسلامی فوج کے سپہ سالار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تھے۔ لیکن خیبر کی خراب آب و ہوا کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فوج کی کمان سنبھال لی اور یہودیوں پر حملہ کیا۔ لیکن شدید مزاحمت کے باعث کامیابی نہیں ہوئی۔ خراب موسم سے حضرت ابو بکرؓ بھی متاثر ہوئے اور وہ بھی بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی جگہ حضرت عمرؓ کو فوج کی قیادت سونپ دی۔ مگر مضبوط قلعوں پر کوئی ضرب نہیں پڑ سکی۔ حضرت عمرؓ بھی بیمار ہو گئے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوج کی قیادت سنبھالنے کے لئے حضرت علیؓ کو بلوایا۔ وہ آشوب چشم (آنکھوں کے درد) میں مبتلا تھے اور ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور نطات نامی قلعہ پر چڑھائی کر دی۔ قلعہ نطات پر غلبہ پانے کے بعد حضرت علیؓ نے ناعم نامی قلعہ کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جنگ خیبر کے دوران حضرت علیؓ نے دس دنوں میں چار قلعوں کو تسخیر کیا۔ جبکہ بقیہ قلعوں کے رہنے والوں نے خود ہی ہتھیار ڈال دیئے۔

خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو وافر مقدار میں غنیمت حاصل ہوئی۔ اس میں ہتھیار اور خوردنی اشیاء وافر مقدار میں تھیں۔ فتح خیبر کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے یہودیوں کے ساتھ مہربانی اور عفو و درگزر فرمایا۔ انہیں اجازت دے دی گئی کہ چاہیں تو خیبر چھوڑ کر چلے جائیں اور اپنے ساتھ گھریلو سامان لے جا سکتے ہیں۔ کھجوریں، بھیڑیں اور دوسرا غلہ لے جانے کی اجازت نہیں۔

جو یہودی خیبر چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تھے انہیں وہاں رہنے کی اجازت مل گئی اور یہ رعایت بھی حاصل ہو گئی کہ وہ اپنا سابقہ کاروبار جاری رکھ سکتے ہیں۔ یہودیوں کی تمام مقدس کتابیں اور دوسرے اہم کاغذات بھی لوٹا دیئے گئے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات اتنے اچھے ہو گئے کہ ایک یہودی عورت نے اعلان کیا کہ میں اپنے ہاتھوں سے کھانا پکا کر پیغمبر اسلامؐ کے لئے بھیجوں گی۔

اس عورت کا نام زینب بنت حرث تھا۔ اس نے ایک دنبہ ذبح کروایا اور دونوں رانیں بریان کرتے وقت ان میں زہر ملا دیا اور وہ کھانا پیغمبر اسلامؐ کو بھجوا دیا۔ جب بریان شدہ گوشت سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیش کیا گیا تو آپؐ کے پاس ایک صحابی بیٹھے تھے جن کا نام بشیرؓ بن براء تھا۔ بشیرؓ بن براء نے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا، چبایا اور نگل گئے لیکن پیغمبر اسلامؐ نے پہلا لقمہ چباتے ہی گوشت تھوک دیا اور بشیرؓ بن براء کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا۔ ''یہ گوشت مت کھاؤ اس میں زہر ملا ہوا ہے''۔ بشیرؓ بن براء گوشت کا جو ٹکڑا نگل چکے تھے اس نے اپنا اثر دکھایا اور جلد ہی ان کی موت واقع ہو گئی۔ زینب بنت حارث کو گرفتار کر لیا گیا اور اس سے پوچھا گیا، ''کیا زہر آلود گوشت تم نے بھیجا تھا؟'' اس عورت نے اعتراف کر لیا اور کہا، ''میں نے یہ سوچ کر گوشت میں زہر ملایا تھا کہ اگر محمدؐ فرستادہ خدا ہیں اور اس خدا کے سچے نبی ہیں تو وہ گوشت کو ہرگز تناول نہیں کریں گے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر وہ اللہ کے رسول نہیں ہیں تو گوشت کھا کر مر جائیں گے''۔

مکہ میں تین روز

ہجرت کے ساتویں برس سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دو ہزار اصحابہ کے ہمراہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ روانہ ہوئے۔ چونکہ سارے مسلمان زیارت کے غرض سے مکہ جارہے تھے لہٰذا ان کے پاس سوائے تلوار کے کوئی اور اسلحہ نہیں تھا۔ اس زمانے میں تلوار جنگی اسلحہ نہیں عربوں کے لباس کا حصہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود مسلمان جب مکہ میں داخل ہوئے، خوفزدہ قریش مکہ سے نکل کر آس پاس کی پہاڑیوں پر چلے گئے۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے سو سواروں پر مشتمل ایک حفاظتی رسالہ جس کی قیادت محمد بن مسلمہؓ کر رہے تھے مکہ کے مضافات میں ''مر الظہران'' نامی جگہ پر متعین کر دیا اور محمد بن مسلمہؓ کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم دیکھو کہ بت پرست ہم پر حملہ آور ہوگئے ہیں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہماری مدد کو آنا ورنہ واپسی تک وہیں پر ٹھہرے رہنا۔

مکہ کی نواحی پہاڑیوں سے بت پرست مسلمانوں کے مکہ میں داخلے کا نظارہ کر رہے تھے۔ ان کے اخلاص اور نظم و ضبط کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ مناسک حج کے اختتام پر پیغمبر اسلامؐ نے قریش کے ساتھ مزید انس و الفت بڑھانے کے غرض سے مکہ کی ایک معزز خاتون میمونہ بنت حارث سے نکاح کیا اور مکہ میں قیام کے تیسرے روز قریش کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔

قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ ضیافت کا اہتمام کیا جارہا ہے تو ایک وفد پیغمبر اسلامؐ کے پاس پہنچا اس نے کہا، ''اے محمدؐ! آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فوری طور پر مکہ سے نکل جائیں کیونکہ معاہدے کی رو سے آپ لوگ تین دن تک مکہ میں ٹھہر سکتے ہو اور آج یہ مدت ختم ہو رہی ہے''۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدے کا پاس رکھتے ہوئے دعوت منسوخ کر دی۔

حق آیا اور باطل مٹ گیا

۱۰رمضان المبارک آٹھ ہجری کو اسلامی لشکر مکہ کی جانب روانہ ہوا۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔

سپاہیوں نے الگ الگ الاؤ روشن کئے جس سے تمام صحرا روشن ہو گیا۔

قریش کو اسلامی لشکر کے پڑاؤ کی خبر ملی تو ابو سفیان، بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام کے ساتھ جائزہ لینے کے لئے مرالظہران پہنچے تو محافظ دستہ نے انہیں گرفتار کر لیا۔ رحمت اللعالمینؐ نے انہیں معاف کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق، رحمت و اخلاص سے متاثر ہو کر یہ تینوں مسلمان ہو گئے۔

حضرت عباسؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخواست کی کہ ابو سفیان چونکہ اسلام میں داخل ہو گیا ہے اسے اعزاز سے نواز دیں۔ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے۔۔۔۔۔اسے امان ہے۔ جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے۔۔۔۔۔اسے امان ہے۔ جو اپنا دروازہ بند کر لے۔۔۔۔۔اسے امان ہے۔

مکہ میں داخل ہونے والے پہلے دستہ کی قیادت حضرت علیؓ نے کی ان کے ہاتھوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مخصوص پرچم لہرا رہا تھا۔ دوسرا دستہ زبیر بن عوامؓ کی قیادت میں مغرب کی جانب سے مکہ میں داخل ہوا۔ سعد بن عبادہ انصاریؓ مشرق کی طرف مکہ میں داخل ہونے والے تیسرے دستے کی سربراہی کر رہے تھے۔ چوتھے دستے کی قیادت خالد بن ولیدؓ نے کی جو جنوب سے مکہ میں داخل ہوا۔ سعد بن عبادہؓ جب مکہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے بے اختیار ہو کر یہ بانگ لگا دی۔ ''آج کا دن حملہ کا دن ہے اور آج حرمت ختم ہو گئی''۔ جب یہ خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا، کہ سعد بن عبادہؓ نے غلط کہا ہے آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے، آج کعبہ کو لباس پہنانے کا دن ہے اور سعد بن عبادہؓ کو دستے کی سربراہی سے ہٹا کر ان کے بیٹے قیسؓ بن سعد کو سپہ سالاری کے فرائض سونپ دیئے۔ سپاہِ اسلام کے سارے دستے کسی مزاحمت کے بغیر مکہ میں داخل ہو گئے۔ البتہ خالد بن ولیدؓ کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسلامی لشکر کے چاروں دستے خانہ کعبہ کے سامنے ایک دوسرے سے آ ملے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

سفید اونٹنی پر سوار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے سات مرتبہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور خانہ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ کو امر کیا کہ وہ کعبہ کا دروازہ کھول دے۔ اس روز پانچ مسلمان خانہ کعبہ میں آئے۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

۲۔ حضرت علیؓ

۳۔ عثمان بن زیدؓ

۴۔ حضرت بلالؓ

۵۔ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر خطاب کیا۔ خطبے کے الفاظ یہ ہیں:

''اے مکہ کے باشندو! تم لوگ جنگ کے قانون سے آگاہ ہو اور جانتے ہو کہ عہد شکنی کی سزا کیا ہوتی ہے۔ اب جبکہ تم ہمارے مغلوب ہو مسلمانوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تم سب کو تہہ تیغ کر ڈالیں یا اپنا غلام بنالیں لیکن آج میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کی بخشش فرمادی ہے چنانچہ تم لوگ آزاد ہو اور تمہاری جان و مال پر کوئی تعرض نہیں ہے۔ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے انہیں ایک دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ خدا کی نظر میں سارے انسان برابر ہیں لہٰذا دور جاہلیت کے وہ تمام اعزازات جو حسب و نسب اور قبیلہ و منصب کی بالادستی پر قائم تھے آج منسوخ کئے جاتے ہیں۔''

جب پیغمبر اسلامؐ خطبے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے ''حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل نے مٹ جانا تھا'' کا ورد کرتے ہوئے خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے سب سے بڑے بت کو گرادیا۔ پھر حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے کہا کہ تمام بتوں کو اُٹھا کر باہر پھینک دیں اور خانہ کعبہ کی اندرونی اور بیرونی تصویروں کو مٹادیں۔

فتح مکہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اور اسلام کے سخت دشمنوں کے مقابلے میں انتہائی نرمی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور انہیں عفو و بخشش سے نوازا۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک شخص عکرمہ بن ابوجہل تھا جو مسلمانوں کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی جان کے خوف سے بھاگ گیا تھا۔ عکرمہ کی بیوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے لئے امان طلب کی۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عکرمہ کی جان بخش دی۔

اسلام کے انتہائی خطرناک دشمنوں میں ایک ابوسفیان کی بیوی تھی۔اس عورت نے اسلام کے نامی گرامی سردار حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ہندہ کو بھی رسول اللہؐ نے معاف کر دیا۔

اسلام کا ایک بڑا دشمن صفوان بن امیہ عفو و درگزر سے بہرہ ور ہوا۔

فتح مکہ کے تیسرے دن سیدنا الصلوٰۃ السلام نے کچھ مسلمانوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ مکہ کے مضافات میں جائیں اور جہاں بھی بت نظر آئیں انہیں توڑ دیں۔انہی لوگوں میں خالد بن ولیدؓ بھی شامل تھے جنہیں یہ حکم ملا کہ نخلہ جا کر وہاں کے بتوں کا صفایا کر دیں۔

جزیرۃ العرب کا مشہور و معروف بت "عزیٰ" نخلہ میں نصب تھا۔قبیلہ ہوازن اور اہل مکہ ایک دوسرے کے قدیمی اور خاندانی دشمن تھے۔جب ہوازن نے دیکھا کہ مسلمان ان کے بتوں کو توڑ کر در حقیقت ان کے عقائد کی جڑیں کاٹ رہے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔وادی حنین میں سخت مقابلے کے بعد اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

خاتم الانبیاء ﷺ کا آخری خطبہ

ہجرت کے آغاز سے دسویں سال تک پیغمبر اسلامؐ نے جزیرۃ العرب کی سر زمین پر روزانہ ۸۲۲ مربع کلو میٹر کے حساب سے پیش قدمی کی۔ اسلام کے آغاز میں مسلمان اتنے تہی دست اور بے بضاعت تھے کہ پہلی تین جنگوں میں ہر دو سپاہیوں کے پاس ایک اونٹ ہوتا تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ان کے لشکر میں صرف دو گھوڑے شامل تھے۔ لیکن بعد میں مسلمان اتنے طاقتور اور مالدار ہو گئے کہ جنگ حنین میں ان کے پاس ایک ہزار گھوڑے تھے۔ اس طرح جنگ تبوک میں اسلامی لشکر دس ہزار گھوڑے لے کر چلا تھا۔ مسلمانوں نے اپنی پہلی لڑائی صرف چار افراد کے بل بوتے پر لڑی اور وہ لڑائی نخلہ کے مقام پر پیش آئی تھی۔ دوسری لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ جنگ اُحد میں سات سو مسلمان سپاہی میدان کارزار میں اُترے تھے لیکن جنگ تبوک میں انہوں نے تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں قدم رکھا تھا۔ بعض جنگوں میں مسلمانوں کا نقصان بہت کم ہوا اور بعض میں انہیں بھاری نقصان اُٹھانا پڑا۔ لیکن مسلمانوں کے تصرف میں آنے والے جزیرۃ العرب کے عظیم حدود اربعہ کے پیش نظر ان کا نقصان برائے نام تھا۔ ہجرت کے نویں سال سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام قدرے علیل ہو گئے اور مدینہ میں ہی مقیم رہے۔ بہر حال اس سال سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ میں سفیروں اور اطراف واکناف کے قبائل کی نمائندہ جماعتوں سے ملاقاتیں کیں۔ اس موقع پر سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام پورے جزیرۃ العرب کے مذہبی، سیاسی اور عسکری پیشوا تھے، لیکن اس کے باوجود جب کوئی سفیر یا وفد ان سے ملنے آتا تو دیکھتا کہ آپ ﷺ کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر بیٹھے ہیں اور آپؐ کا اسباب زندگی وہی ہے جو برسوں پہلے تھا۔

ہجرت کے دسویں سال سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام چودہ ہزار مسلمانوں کی معیت میں مناسک حج کی ادائیگی کے لئے مدینہ سے مکہ تشریف لائے۔ ۹ ذی الحج سن ۱۰ھ کو جب سورج ڈھل گیا تو سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر وادی نمرہ میں جبل الرحمت پر جلوہ افروز ہوئے۔

خطبہ حجتہ الوداع اسلام میں اساسی دستور اور بنیادی اصول کی حیثیت کا حامل ہے۔ وفات سے تقریباً ۸۰ اسی روز پہلے سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حج کے زمانے میں فرمایا:

لوگو! میری باتیں غور سے سنو!

کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس مقام پر میں پھر تم سے نہ مل سکوں۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے اس لئے ہیں کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اس لئے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، اسی طرح کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔

اے قبیلہ قریش!

ایسا نہ ہو کہ قیامت میں تم دنیا کا بوجھ سمیٹ کر اپنی گردن پر لادے ہوئے آؤ اور دوسرے لوگ آخرت کا سامان لائیں۔ اگر ایسا کیا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔

اے لوگو!۔۔۔۔۔ آج کا دن اور اس مہینہ کی تم جس طرح حرمت کرتے ہو اس طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور کسی کا مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب یاد رکھو کہ تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ تمہارے سب کاموں کا پورا جائزہ لے گا۔

اے لوگو!۔۔۔۔۔ جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا۔

یاد رکھو!

خدا کی ذمہ داری پر عورتیں تم پر حلال ہوئیں اور اسی کے حکم سے تم نے ان پر تصرف کیا ہے۔ پس ان کے حقوق کی رعایت میں خدا سے ڈرتے رہنا۔

غلاموں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ جیسا تم کھاتے ہو ویسا ان کو کھلانا۔ جیسے تم کپڑے پہننا ویسے ہی ان کو کپڑے پہنانا۔ اگر ان سے کوئی خطا ہو جائے اور تم معاف نہ کر سکو تو ان کو جدا کر دینا کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں۔ ان کے ساتھ سخت برتاؤ نہ کرنا۔

لوگو! میری بات غور سے سنو!

خوب سمجھو اور آگاہ ہو جاؤ!

جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ سب مسلمان اخوت کے سلسلے میں داخل ہو گئے ہیں۔ تمہارے بھائی کی چیز تم کو اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔

خبردار!۔۔۔۔۔ زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے کچل دی گئی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کے تمام خون معاف ہیں۔

خبردار!۔۔۔۔۔ ناانصافی کو پاس نہ آنے دینا۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مظبوط پکڑے رکھو گے اور اس پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز خدا کی کتاب ہے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمت نہیں۔

خبردار!۔۔۔۔۔ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، صلوٰۃ قائم کرو۔ ماہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو۔

مذہب میں غلو اور مبالغے سے بچو۔ کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی عمل سے برباد ہو چکی ہیں۔

خبردار!۔۔۔۔۔ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔

اگر کوئی حبشی غلام بھی تمہارا امیر ہو وہ تم کو اللہ کی کتاب کے مطابق چلائے تو اس کی اطاعت کرو۔

اے لوگو!

عمل میں اخلاص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتفاق یہ باتیں سینہ کو صاف رکھتی ہیں۔

اے لوگو!۔۔۔۔۔ تم سے میرے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تو بتاؤ، تم کیا کہو گے؟

لوگوں نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام ہمیں پہنچا دیا ہے اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے تو آپؐ نے انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اُٹھایا پھر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا۔

یا اللہ! تو گواہ ہے۔۔۔۔۔

پھر فرمایا:

خبردار!۔۔۔۔۔ جو حاضر ہیں وہ یہ کلام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں ہیں خواہ وہ اس وقت موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے کیونکہ بہت سے وہ لوگ جن کو میرا کلام پہنچے گا خود سننے والوں سے زیادہ اس کی حفاظت کریں گے۔

عفوودر گزر

ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاول کے مہینے میں سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام علیل ہو گئے۔ایک روز مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مسلمانوں کو مخاطب کیا:

''اے مہاجرو! جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے ہو، میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ انصار سے جو مدینہ کے اصل باشندے ہیں انتہائی نیک برتاؤ کرو کیونکہ مجھے انصار پر بہت بھروسہ ہے۔جب ہم ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے توان لوگوں نے ہمارے لیے بڑی قربانیاں دیں اور از حد فداکاری کا مظاہرہ کیا۔لٰہذا اگر انصار سے کوئی خطا ہو جائے تو در گزر سے کام لینا کیونکہ انصار میرے لئے میرے جسم کی پوشاک کے مانند ہیں۔انہوں نے آج تک اپنے فرائض بخوبی انجام دیئے ہیں اور اب ان پر کوئی فرض باقی نہیں رہتا۔

مگر تم لوگوں پر ان کا بہت حق بنتا ہے۔

اے لوگو! جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں اور تم مجھے سپرد خاک کردو تو میری قبر کے سامنے سجدہ نہ کرنا۔رکوع و سجود کے لائق صرف خدائے وحدہ کی ذات ہے۔''

جب سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے پاس دنیا کے مال و متاع میں سے ایک خچر (جو حبشہ کے بادشاہ نے تحفتہً پیش کیا تھا) اور چند تلواروں کے سوا کچھ نہ تھا۔

سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہیں سپرد خاک کرنے کا فیصلہ کیا گیا جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔جب مسجد میں جمع عام مسلمانوں کو یہ علم ہوا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام رحلت فرما گئے ہیں تو ان میں کہرام مچ گیا اور سب لوگ بے اختیار ہو کر رونے لگے۔حضرت عمرؓ بن خطاب مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو روتا دیکھ کر گرجدار آواز میں بولے،''کیوں روتے ہو یہ شیون زاری کیا ہے؟'' پھر انہوں نے میان سے اپنی تلوار نکال لی اور بہت رعب دار آواز میں بولے!''جو کوئی یہ کہے گا کہ سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام فوت ہو چکے ہیں تو میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ہمارے رسولؐ فوت نہیں ہوئے بلکہ اللہ کے پاس گئے ہیں اور جلد ہی واپس آجائیں گے اور ہم انہیں دوبارہ دیکھ سکیں گے۔ابھی یہ مکالمہ جاری تھا کہ حضرت ابو بکرؓ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے

فرمایا،

''یا عمرؓ! خاموش رہو اور اپنی تلوار میان میں رکھ لو''۔ پھر انہوں نے حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسولؐ اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمدؐ کا وصال ہو گیا ہے اور جو شخص تم میں سے اللہ کی پرستش کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔ پھر سورۃ آل عمران کی آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ:

''اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اجر دے گا۔''۔

(آل عمران ۱۴۴)

سلام اے آمنہ کے لال

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی

سلام اے فخرِ موجودات، فخر نوعِ انسانی

سلام اے ظلِ رحمانی، سلام اے نورِ یزدانی

ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا

بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمین کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے

ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرے کو تابانی

ترا در ہو مرا سر ہو، میرا دل ہو تیرا گھر ہو

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

سلام اے آتشیں زنجیرِ باطل توڑنے والے

سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

(حفیظ جالندھری)